تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

گوشۂ محی السنہ

حضرت شاہ محمد ابرار الحق حقیؒ

اشاعت کا ۴۲ واں سال

برائی ہنستی ہوئی آتی ہے اور نیکی آنسو بہاتی چلی جاتی ہے۔

(مالک بن دینارؒ)

ایک گناہ کا بھی عادی مجرم کبھی ولی نہیں بن سکتا

(حضرت محی السنہؒ)

۲۵ جون ۲۰۰۵ء

Rs 7/-

PosTal Read.No.LW/NP/63/2003to2005

June -2005

Vol.No.4-Issue No.15

Fornightly

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

R.N.I. No.UP. URD/2001/6071

ندوہ مہمان خانہ (0522)2740151

دفتر اہتمام 2741272

رابطہ ادب اسلامی (فیکس) 2741221

شعبہ تعمیر وترقی (فیکس) 2741231

Phone : 0522-2616731 (R)

Mobile : 09415786548

Mohd. Akram Jewellers

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

---------- (پروپرائٹر : ولی اللہ) ----------

ولی اللہ جویلرس

WALI ULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. : 2254796

Editor : Shamsul Haq Nadwi Office Ph. L 2741235(Ext.)18 Printed & Published by Athar Husain on behalf of Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat, Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

مال کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور

اسلام نے ملکیت کے بارے میں واضح کردیا کہ وہ اللہ کی ہے، مال اور وسائل کے حصول کے لئے اصول مقرر کردیئے، کہ وہ بھی اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہونے چاہئیں، ان وسائل کے استعمال کے بھی اصول مقرر کردیئے، تاکہ اس کا لازمی اثر طغیان، سرکشی اور استحصال نہ پیدا ہو اس لئے کہ اگر دولت اور قوت دونوں کنٹرول میں نہ ہوں تو طغیان، سرکشی اور ظلم وزیادتی کا سبب بنتی ہے۔

اس طرح کسب چاہے مال کا ہو یا قوت کا وہ بھی اسلام میں اصول وضوابط کا تابع ہے اور انفاق یا استعمال اس کے بھی اصول وضوابط مقرر ہیں مگر یہ قانون کے ذریعہ نہیں قانون کے ذریعہ جبر کا احساس پیدا ہوتا ہے، ترغیب وترہیب کے ذریعہ آخرت میں حساب وکتاب کے تصور کے ذریعہ اور اللہ کی ناراضگی سے ان کے سلب ہوجانے کے تصور کے ذریعہ حقوق کی نشاندہی کے ذریعہ اسراف اور بخل دونوں کی مذمت کے ذریعہ اور اس پر عذاب اور محاسبہ کے تصور سے اس کے ساتھ ساتھ ایثار، قناعت، ہمدردی اور خدمت خلق، مواساۃ اور شکر کے اختیار کرنے کی ترغیب بھی بکثرت قرآن وحدیث میں دی گئی ہے اور اس کی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں، حکام کی تاریخ میں اور اصحاب مال اغنیاء کی تاریخ میں اقویاء کی تاریخ میں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اتنی تفصیل اور تاکید سے بیان فرماتے تھے کہ بعض وقت خیال ہوتا تھا کہ ہمارے مال میں خود ہمارا کوئی حق نہیں سب دوسروں کا ہے۔

یہ ایسا عادلانہ نظام ہے جو سارے مسائل کا حل ہے لیکن اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے، اگرچہ یہ ایسا موضوع ہے جس پر دنیا کے دو نظاموں کا انحصار ہے اور دونوں میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، اور اس کے نتائج لوگ دیکھ رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد واضح رشید ندوی

(مدیر الرائد وصدر شعبہ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ

اشاعت کا ۴۲ واں سال

جلد نمبر ۴۲ | ۲۵ رجون ۲۰۰۵ء مطابق جمادی الاول ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر ۱۵

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین

معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوی

زرِ تعاون

سالانہ -/۱۵۰ روپے — فی شمارہ -/۷ روپے

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

Post Box No. 93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007

مجلس ادارت وتحریرات (0522) 2740151 مہمان خانہ: 2741834

مضامین نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پنجر پرنٹرز الہ آباد سے چھپوا کر فیصل پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ سے طبع کرکے دفتر تعمیر حیات مجلس ادارت وتحریرات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارہ میں

رئیس التحریر کی میز سے

تطفیف کا عمل — ایش — ۲

اداریہ

مسلمانوں کو دماغی اذیت پہنچانے کی یہودی سازش — حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۳

چراغ راہ

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — ۵

پرانے چراغ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی — ۸

حالات حاضرہ

اسلام کا دہشت گردی سے کوئی سروکار نہیں — سفر دہرہ دون کی ایک رپورٹ — ۱۱

آسمانی کتاب کی بے حرمتی — حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ — ۱۳

گوشۂ محی السنۃؒ

ایک تعزیتی مکتوب — حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء — ۱۵

ایک منٹ کا مدرسہ — ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی — ۲۵

خانقاہ تھانوی کا آخری چراغ — ڈاکٹر رشید الوحیدی — ۱۶

اک شمع رہ گئی تھی ---- — جناب عبدالعلی فاروقی — ۱۸

مجالس ابرار کی ایک جھلک — جناب مولانا محمود حسن حسنی — ۲۳

اپیل

ندوہ میں شفاخانہ کی تعمیر — جناب مولانا سید محمد حمزہ صاحب حسنی — ۲۴

شہادت حق

دعوت دین سے غفلت — امین الدین شجاع الدین — ۲۷

متفرقات

مساجد میں میناروں کی ابتداء — ولی حسن ندوی — ۳۰

روداد چمن — محمد ہارون اورنگ آبادی — ۳۳

تعارف وتبصرہ

حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ۔ ایک تذکرہ — ایش — ۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زرتعاون ختم ہوگیا ہے، لہٰذا ازراہ کرم زرتعاون ارسال کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں

رئیس التحریر کی میز سے

ڈنڈی مارنے (تطفیف) کا عمل

امین الدین شجاع الدین

سماج کی ایک بنیادی برائی جس سے زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اس کی قرآن پاک نے تنبیہ کے ساتھ نشان دہی کی ہے چنانچہ فرمایا کہ "**ویل للمطففین**" (خرابی ہے گھٹانے والوں کی) (۸۳:۱) ڈنڈی مارنے (تطفیف) کا عمل ایک تو وہ ہے جس کا تعلق ناپ تول اور ترازو سے ہے، جب کہ دیکھا جائے تو واقعتاً اس کا تعلق تو زندگی کے ہر گوشہ سے ہے۔ نافرض شناسی، حق تلفی، کام چوری، حلال وحرام کی تمیز کے اُٹھ جانے جیسے اعمال اس کی چند ایک مثالیں ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان عبادات میں بھی ڈنڈی مارنے سے نہیں چوکتا اور خصوصاً معاملات میں بدمعاملگی تو اب حضرت انسان کا شیوہ بن گیا ہے اور اس کے نزدیک یہ عیب "ہنر" بن گیا ہے سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ تطفیف انسانی زندگی کا ایک ایسا اصول بن گیا ہے جس کے گناہ ہونے کا احساس ہی اُٹھ گیا ہے مثلاً اگر استاد طلباء کو نہ پڑھائے یا یہ کہ جیسا کہ حق ہے اس طرح سے نہ پڑھائے تو یہ بھی ڈنڈی مارنے کا عمل ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے زندگی کے تمام تر گوشہ ہائے حیات کا اندازہ کر لیجئے۔ اس کے نتائج اس قدر خطرناک ہیں کہ اس عمل کی وجہ سے آج خاندانی نظام درہم برہم اور اداروں کا نظام تتر بتر، حکومتوں کا نظام ابتر ہو چکا ہے، حاصل یہ کہ پورے سماج کی کل کی کل ٹیڑھی ہوگئی ہے اور آوا کا آوا بگڑ گیا ہے۔ دور کی بات جانے دیجئے ہمارے ایک پرنسپل سید حفیظ الدین شوقی مرحوم کی فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی نجی ڈاک آفس اوقات میں پڑھنے کو جرم سمجھتے تھے اور اپنے نجی کام کے لیے ایک علاحدہ دوات اور قلم رکھتے تھے۔

خدا خوفی، آخرت رخی زندگی، اللہ کی توفیق، اس کے حضور جواب دہی اور فرض شناسی کا احساس ہی اس موذی مرض سے سماج کو نجات دلا سکتا ہے۔ اسلام میں آخرت کا تصور اور ہر چھوٹے بڑے عمل کی باز پرس کا تصور اور احساس ہی وہ اساس ہے جو انسانی سماج کے بگاڑ کو بناؤ سے بدل سکتی ہے۔ قرآن انسان کو یاد دلاتا ہے "**فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره و من یعمل مثقال ذرة شرّا یره**" (۹۹:۷) حاصل یہ کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بدی بھی اللہ کی نظر سے بچ نہیں سکتی۔

ڈنڈی مارنے کے عمل نے انسانی معاشرہ سے حلال وحرام کی تمیز کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ عام مشاہدہ ہے کہ دو تین ہزار کا ایک عام ملازم بھی گاڑی اور کوٹھی کا مالک بنا بیٹھا ہے جیسے اچانک الہٰ دین کا چراغ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو اور لطف یہ ہے کہ تسبیح بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔۔۔ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

نماز روزہ کو آڑ کی ٹٹی بنانے والوں نے اللہ کی پناہ! دین کو بھی بدنام کیا ہے اور اس کے نام پر قائم اداروں پر نقب بھی لگائی ہے۔۔۔

آخرت کا تصور اور روز جزا کی باز پرس، جس ملت کا بنیادی عقیدہ ہو، افسوس کہ دُنیا کی چند روزہ ظاہری چمک دمک اس کی نگاہوں کو ایسا خیرہ کر دیتی ہے کہ انجام اور خدا کی گرفت سے وہ پوری طرح غافل ہو جاتا ہے ورنہ یہ دنیا تو تماشہ گاہ ہے اور عبرت گاہ بھی چنانچہ یہاں روز ایسے روح فرسا اور عبرت ناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص یا ایک بستی رات میں کھرب پتی تھی، وہاں دولت کی ریل پیل تھی لیکن صبح ہوئی تو دانہ دانہ کو محتاج ہوگئی یا اولاد ایسی ناخلف نکلی کہ توبہ نہ بن پڑی اور حرام راہ سے جو مال آیا تھا اس کا نہ صرف صفایا ہو گیا بلکہ اولاد معصیتوں اور گناہوں کے دلدل میں پھنس کر دُنیا میں بھی ذلیل ہوئی، آخرت میں بھی ان کے لیے ذلت مقدر ہوئی اور ماں باپ کے لیے بھی وہ وبال جان بن کر رہے۔ دنیا اور آخرت کا خسارہ اسے ہی کہتے ہیں۔

ڈنڈی مارنے کا عمل ایک ایسا بیج ہے کہ جب وہ برگ وبار لاتا ہے تو اس کے کڑوے کسیلے پھل دنیا میں بھی ضرر چکھنے پڑتے ہیں، آخرت میں حقوق العباد کے کٹہرے میں کھڑا رہنا تو ایسی سزا اور ایسا مرحلہ ہوگا کہ جس کے تصور سے ہی روح کانپ اُٹھتی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والوں اور امانت میں خیانت کر کے دنیا کی چند روزہ زندگی کا مزہ لوٹنے والوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ آخر انہیں ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے "**اَلا یَظُنُّ اُولٰئِکَ اَنَّھُمْ مَبْعُوْثُوْن ● لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ**" (۸۳:۴-۵) (کیا خیال نہیں کرتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے)۔

اگر معاشرہ تطفیف کے اس عمل سے باز آجائے تو زندگی کی گاڑی پٹری پر آجائے اور دُنیا کے نظام میں اعتدال وتوازن پیدا ہو جائے۔

اداریہ

مسلمانوں کو دماغی اذیت پہونچانے کی یہودی سازش

از: (حضرت مولانا) عبداللہ عباس ندوی

اللہ کی مخلوق میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہی انسان ارذل المخلوقات بھی ہے (اصحاب المیمنہ) بھی یہی انسان ہے اور (اصحاب المشئمہ) بھی یہی حضرت انسان ہیں۔

فأصحاب المیمنة ما أصحاب المیمنة
وأصحاب المشئمة ماأصحاب المشئمة (الواقعة ۸.۹)

سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں اور جو بائیں والے ہیں کیسے برے ہیں"۔

پھر انہیں میں "السابقون السابقون" بھی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "اُولٰئِکَ المقربون" انسان جب اونچا ہوتا ہے تو اس کی بلندی تک فرشتے بھی پہونچ نہیں سکتے، اور جب انسان کامل کو آسمان کی سیر کرائی گئی تو ایک وہ مقام آیا جہاں جبریل امین نے سپر رکھ دی اور کہا کہ آگے حضور پرواز کر سکتے ہیں میری حد یہیں ختم ہوتی ہے، اگر یہاں سے ایک بال برابر بھی آگے بڑھنے کی ہمت کروں تو فروغ تجلیات سے میرے پر جل اٹھیں گے۔

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اور یہ انسان جب گرتا ہے تو اتنا گرتا ہے کہ قرآنی الفاظ بھی اس کی رذالت کو بیان کرنے سے کوتاہی نہیں کرتے۔

ولا تطع کل حلاف مھین۔
ھماز مشاءٍ بنمیم۔
مناع للخیر معتدٍ اثیم۔
عتل بعد ذٰلك زنیم (القلم ۱۰۔۱۳)

اور آپ (بالخصوص) ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت (جھوٹی) قسمیں کھانے والا اور بے وقعت (طعنے دینے والا ہو) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو اور نیک کام سے روکنے والا ہو (اعتدال) سے گزرنے والا ہو (گناہوں کا کرنے والا ہو) اور سخت مزاج والا ہو (علاوہ ازیں اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرتا ہو)

مقام انبیاء کی بلندی کو کوئی عادی انسان نہیں پا سکتا۔ اور انبیاء میں بھی اشرف الانبیاء اور سید المرسلین ﷺ کا عروج خاکی نہیں، نوری تھا۔ جس کا احاطہ بھی پستی کے مکیں نہیں کر سکتے اور جہاں ملائکہ مقربین بھی خاک نشیں نظر آتے ہیں۔ عام عادی انسان بازاروں میں چلنے والا گھر کے لئے سودا سلف کرنے والا ایک اسوہ کاملہ کا تصور تو کر سکتا ہے مگر آج تک کوئی فرد ایک لمحہ کے لئے اس فضائے قدس میں سانس

نہیں لے سکا جو فضا انبیاء کے لئے خاص تھی مگر پھر بھی شرافت کا جوہر انسانیت کے ذریعہ جہاں مردہ نہیں ہوا وہاں بھی ایسی تجلیات دیکھی گئیں جہاں عقل انسانی حیرت میں پڑ جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک تاجر کا قصہ لکھا ہے کہ

''ان کے یہاں رات کو ایک چور آیا سامان سمیٹتا جاتا تھا اور اس کی حرص بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کے وہ اپنے چُرائے ہوئے مال کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو خود صاحب خانہ اٹھے اور کہا کہ میں تیری مدد کرسکتا ہوں؟ تو، جہاں کہے یہ سامان اپنے سر پر رکھ کر پہونچادوں! چور یہ سمجھا کہ اس کا کوئی دوسرا اہم پیشہ آگیا ہے۔ اس نے ایک لات مار کر صاحب خانہ کو گرادیا اس نے کہا کہ اس میں تم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ صاحب خانہ نے کہا کہ مگر میں بار برداری کا کام کرسکتا ہوں۔ (بہر حال چور کی خاطر اپنے سر پر بوجھ اٹھا کر اس کے گھر تک پہونچادیا اور جب دن ہوا اور تاجر اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گیا اور گاہکوں کا ہجوم ہوا اور وہ خندہ پیشانی کے ساتھ گاہکوں کے ساتھ خرید و فروخت کی بات کررہے تھے کہ رات کا جو کھانا میسر تھا حاضر کیا اور کان میں کہا کہ مجھکو دیکھ کر آپ کو جو تکلیف ہورہی ہوگی اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ مجھ گنہگار کی طرف سے کوئی اندیشہ دل میں نہ لائیں۔ آپ جو لے گئے وہ آپ کا حصہ تھا، اللہ کی طرف سے مقدر تھا میں نے ہدیہ کی نیت کرلی تھی تاکہ اس مال کی قیمت کے ساتھ اس کی برکت بھی آپ کو حاصل ہو۔''

یہ ایک نمونہ تھا اس دور کے ''صاحب میمنہ'' کا۔ اب دوسرا رخ ''صاحب مشئمہ'' کا دیکھئے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں جب مسلمان ہار گئے تو ان کے بڑے بڑے رؤساء اور اصحاب ثروت و وجاہت کو دشمن کی فوج کے سپاہی گھر سے نکال کر لے جاتے ہیں اور ان کے جسم پر سور کی چربی مل دیتے ہیں تاکہ ان کی کراہیت کا عقیدہ ان کی موت کے ہمراہ جائے ''سیرت سید احمد شہید'' میں یہ واقعہ ہے کہ چند مجاہدین کو انگریزوں نے پھانسی کا حکم دیا مگر ان سزایافتہ مومنین کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا کہ۔۔۔ غدا نلاقی الأحبة محمدا و حزبه

انگریز کی خونخوار نگاہوں سے مسرت کا یہ منظر دیکھا نہیں گیا اور اس نے پھانسی کا حکم منسوخ کرکے عمر قید سے سزا بدل دی۔ کیونکہ مقصود صرف جسمانی عذاب دینا نہیں تھا بلکہ تذلیل و توہین اور دل دکھانا زیادہ مقصود تھا۔ آج امریکہ میں قرآن کریم کے اوراق کی توہین کی گئی اور ورلڈ آرڈر کے مدعی حکمرانوں نے اس کی کچھ تاویل کی اور اگر مگر شروع کیا دوسری طرف اس کے زہریلے کیڑے اسرائیل نے دھڑلے سے یہی حرکت جاری کردی جیسے ان کو معلوم ہوگیا کہ مسلمان اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز قرار دیتا ہے اور یہ کتاب ان کے لئے دل کی دوا اور داروئے شفاء ہے ایسی کتاب کی اہانت دشمنان انسانیت یہود کا شیوہ ہے۔ غلت أيديهم قاتلهم الله و أخزابهم۔

چراغِ راہ

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں

''لسانی وتہذیبی ''جاہلیت'' کا المیہ اور اس سے سبق'' سے منتخب اقتباسات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی غلطیوں کا احساس نہ کرنا، اور اپنے تجربوں اور ناکامیوں سے فائدہ اٹھانا، غلطیوں اور ناکامیوں کے اسباب وعلل کو تلاش نہ کرنا، ایک ہی غلطی بار بار کرنا، اور ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جانا ایک صحیح الفطرت اور صحیح الحواس انسان کا شیوہ نہیں ہے اور مومن کو تو یہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا، جس کو اللہ تعالیٰ نے فراست ایمانی عطا فرمائی ہے، اور عقل وتجربے سے فائدہ اٹھانے کی سب سے زیادہ دعوت دی ہے، قرآن شریف نے گروہ منافقین کی یہ کمزوری اور عیب بیان کیا ہے، کہ وہ واقعات اور تجربات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھاتے اور سال میں کئی کئی بار آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں:۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ ۱۲۶)

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں، نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

مومن کی اسی صلاحیت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے، "لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين" (مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار ڈسا نہیں جاتا)

لسانی وتہذیبی جاہلیت

ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک قدیم اسلامی ملک اور مسلمانوں کے خالص اکثریت والے علاقے میں جو علماء اور مشائخ، اور مدارس وخانقاہوں کی سرزمین تھی، جس کے چپہ چپہ پر مسجدیں اور خانۂ خدا تھے، جس کے لئے صدیوں اولیاء کرام نے آب دیدہ، اور خون جگر بہایا، اور جس کی زمین ان کے آنسوؤں سے نم، اور جس کی فضاء ان کے نالہ ہائے نیم شبی سے گرم تھی، زبان وتہذیب کے جنون کی ایک تیز وتند لہر اٹھی، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کی محنتوں پر پانی پھر گیا، مسلمان نے بے تکلف مسلمان کا گلا کاٹا، بے گناہ انسان اس طرح مارے گئے جیسے سانپ اور بچھو مارے جاتے ہیں، اور ان پر کوئی رحم نہیں کھایا جاتا، جن لوگوں نے اس ملک میں پناہ لی تھی، ان کے لئے اب اس ملک میں کہیں پناہ نہ تھی، نہ کسی دل میں ان کے لئے رحم کا جذبہ تھا، نہ کسی آنکھ میں ان کے لئے کوئی آنسو، انسانوں کا شکار اس طرح کھیلا جارہا تھا، جیسے کسی جنگل میں درندوں، پرندوں کا اور کسی تالاب ودریا میں مچھلیوں کا کھیلا جاتا ہے، نہ شریف عورتوں کی عصمت محفوظ رہی، نہ بوڑھوں کے بڑھاپے پر ترس کھایا گیا، نہ معصوم بچوں کی چیخ وپکار پر کان دھرے گئے، بھوک پیاس کا عذاب، سنگ دلی اور شقاوت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی، جو اپنے بھائیوں کے لئے روا نہ رکھی گئی ہو، زبان کی ''وطنیت'' (بت پرستی) عقیدۂ توحید پر، قوم پرستی، اور نسل پرستی اسلامی وحدت پر، اور حمیت جاہلیت اور عصبیت اخوت اسلامی پر، اس طرح غالب آکر رہی کہ ابتدائے اسلام سے آج تک کسی خطۂ زمین پر ابھی تک اس طرح غالب نہیں آئی تھی اور اسلام اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں کبھی اس طرح ذلیل نہیں ہوئے، جس طرح اس زمانہ میں۔

تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

مختلف زبانیں، تہذیبیں، تمدن اور طرز معیشت دنیا میں اس وقت سے ہیں، جب سے انسان ہے، انسانیت نے ہمیشہ ان کے سایہ میں آرام اٹھایا، ان کی وجہ سے زندگی کا لطف بڑھا، اور اس کے اندوختہ، اور سرمایہ میں اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (سورہ حجرات)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک خدا سب کچھ جاننے والا، اور سب سے خبردار ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ (سورہ روم ۲۲)

اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں، اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس

میں نشانیاں ہیں۔

لیکن بنی نوع انسان کی طویل تاریخ میں جو اس قسم کے سنگین واقعات، المیوں، اور مضحکہ خیز ڈراموں سے بھری ہوئی ہے، ہم کسی ایسی جنگ سے واقف نہیں، جو صرف زبان اور کلچر کے لئے لڑی گئی ہو، عرب اپنے قوت بیان، اور لسانی تعصب میں مشہور تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو گونگے (گونگا) کہتے تھے، لیکن تاریخ نے کوئی ایک واقعہ ایسا ریکارڈ نہیں کیا، جس میں عرب عجم سے کبھی اپنی زبان کی بنیاد پر لڑے ہوں، اسلام نے تو اس تعصب کو حرام و ناجائز کہا تھا، اس کا نام "حمیۃ جاھلیۃ" رکھا تھا، اور اس پر سخت نفریں کی تھی، اس کو جاہلیت کی قابل نفرت یادگار، کفر وبت پرستی کا رمز، اور اللہ ورسول کے خلاف جنگ کے مرادف اور اس کے جھنڈے کے نیچے مرنے کو حرام موت، یا جاہلی اور غیر اسلامی موت قرار دیا تھا، لیکن جاہلیت کی تاریخ میں بھی زبان کے مسئلہ میں ہمیں کسی ایسے معرکہ کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ درحقیقت یورپ، اور اس کی انتہا پسندانہ قوم پرستی کا فیض ہے، جس نے زبان اور کلچر کو یہ "مقدس" لباس عطا کیا ہے، اور اس کو ایک ایسا بت بنا دیا ہے، جس کے لئے انسانوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے، اور خون بہایا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں اکثر ملکوں میں پرانی تہذیب کے احیاء کا شوق، زبان کا تعصب اور اس کے لئے مرمٹنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور لوگوں کو زبان کی ایک نئی صلیبی جنگ (Crusades) یا "جاہلیت" (Paganism) کا سامنا کرنا پڑا، جس کا تجربہ اب تک نہ ہوا تھا، یورپ کا یہ پروپیگنڈہ جو بڑی گہرائی، اور دور بینی کے ساتھ تیار کیا گیا تھا، ان مسلم اقوام میں بھی پوری طرح پھیل گیا، جو بہت صحیح العقیدہ، سلیم الفطرت، اور دینی ایمانی جذبات کی حامل تھیں، اور جن سے بجا طور پر یہ توقع تھی، بلکہ یقین تھا کہ وہ اپنے دین واسلام اور سلامتی فطرت کی وجہ سے کم از کم دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس لسانی وثنیت سے بہت دور رہیں گی، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند اور دلیل نہیں ہے اور جس کی خدا کی میزان میں رائی کے دانہ کے برابر بھی قیمت نہیں۔

لیکن اچانک عالم اسلام، اور اسلام و وحدت اسلامی پر عقیدہ رکھنے والوں کے سامنے ایک نئی صورت حال آئی، اور زبان کا یہ فتنہ ایک آتش فشاں کی طرح ایک اسلامی ملک کے قلب وجگر میں پھوٹ پڑا، یہ آفت یا قیامت جو سامنے آئی، وہ کچھ رضائے الٰہی کے لئے، یا شیطان کی سرکوبی وتذلیل کے جذبہ سے نہیں تھی، اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ اخوت اور امن واطمینان کا دور دورہ ہو، نیکیاں فروغ پائیں اور برائیاں ختم ہوں، یہ سب اس لئے ہوا کہ اس قوم کی بڑی جمعیت فرنگی شیشہ گروں، اور قومیت کے انتہا پسند پرستاروں کے ہاتھ میں کھیلنے لگی اور وہ ایک خطرناک سازش کا شکار ہوگئی۔

اسلام کی ساکھ کو زبردست نقصان

اس انسانی قتل عام، خون مسلم کی ارزانی، اور جانی ومالی نقصان پر بھی جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہے، لیکن ان واقعات کا سب سے زیادہ شرمناک پہلو یہ ہے کہ اس سے مخالفین کو اسلام کی ناکامی کے ثبوت کے لئے ایک دلیل ہاتھ آئی، اور انہوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں رابطہ بننے، اور مختلف قوموں اور نسلوں کو (جن کی زبانیں اور رنگ ونسل مختلف ہیں) متحد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، نیز یہ کہ اسلامی عقیدہ پر کسی معاشرے، اور کسی ریاست (State) کے قائم ہونے، اور اگر قائم ہو جائے تو باقی رہنے کا امکان نہیں، یہ وہ معنوی خسارہ ہے، جس کا کوئی خسارہ مقابلہ نہیں کر سکتا آپ ہندوستان کے عظیم ترین تجارتی مرکز میں رہتے ہیں، جانتے ہیں کہ ایک تاجر کے یہاں نفع نقصان، بازار کے اُتار چڑھاؤ، اور تجارتی مدوجزر کی کوئی اہمیت نہیں، اس کا اصل سرمایہ اس کی ساکھ اور اس کا اعتبار ہے، اسی وجہ سے کسی فرم کا ٹریڈ مارک بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ہزاروں، لاکھوں روپیوں میں خریدا جاتا ہے، حالیہ واقعات نے اسلام کی ساکھ کو بڑا نقصان پہنچایا اور اسلام کی تبلیغ کرنے والوں، اور اس کو دنیا کی سب سے بڑی قوت جامعہ (Unitingforce) کے طور پر پیش کرنے والوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کردی، اور ایک طرح سے پچھلی تاریخ کو بھی جس پر ہر مسلمان کو فخر ہے، بہت سے لوگوں کی نگاہ میں مشکوک بنا دیا، جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عرب وعجم، گورے کالے، قریشی وحبشی، ایشیائی وافریقی، فقیر وغنی، اور محمود وایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا، ہمارے نزدیک تو یہ تاریخ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور ساری دنیا نے ہمیشہ اسلام کی اس کامیابی پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے، لیکن اب ہم کس منہ سے کہیں کہ اسلام اپنے پیروؤں میں ایسی وحدت، اور الفت پیدا کرتا ہے کہ وہ زبان اور رنگ کے اختلاف کو بالکل بھول جاتے ہیں، اور جسم واحد اور ملت واحدہ بن جاتے ہیں، یہ وہ افسوسناک پہلو ہے جس پر افسوس کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں، اور جس پر خون کے آنسو رونا بھی کافی نہیں۔

بیماری کے جراثیم

ہم نے مانا کہ جو کچھ ہوا یہ سیاسی شاطروں کا ایک کھیل تھا، اور چند فتنہ پرداز، اور ناخدا ترس جماعتوں کی بازی گری جس کا یہ سادہ لوح، اور سادہ دل قوم شکار ہوگئی، لیکن ایک پوری کی پوری قوم اور ملک کا ان سیاسی بازی گروں کے مقاصد کا

اس آسانی سے آلہ کار بن جانا، اور اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ جانا، اور توحید وشرک، اسلام و جاہلیت، تعمیر وتخریب، اور عقل وجذباتیت میں فرق نہ کرنا محض اتفاقی واقعہ، اور قائدین کی ذہانت وصلاحیت اور عوام کی سادگی اور جہالت کا نتیجہ نہیں، کسی ملک اور کسی دور میں کوئی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتی، جب تک قوم میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت، اور آمادگی نہ پائی جاتی ہو، اور اس کی بنیادیں اس کے قلب ودماغ میں پہلے سے موجود نہ ہوں، اگر قوم اس تحریک کے لئے پہلے سے تیار نہیں ہوتی، تو یہ آندھی اٹھتی ہے اور نکل جاتی ہے، سیلاب آتا ہے، اور گذر جاتا ہے، اعصابی دورہ (ہسٹیریا) بھی ایک عارضی کیفیت ہوتی ہے، وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہتی، لیکن ان حالات وواقعات کا اتنے دن تک قائم رہنا، اور ان کی عمومیت ووسعت بتاتی ہے کہ ملک میں پہلے سے اس بیماری کے جراثیم موجود تھے، اور اس قوم کی اسلامی تعلیم وتربیت میں ضرور کچھ ایسی خامیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

صحیح دینی شعور کی کمی

میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ اس قوم میں صحیح دینی شعور کی کمی تھی، قلب کے ساتھ دماغ کا مومن ہونا بھی ضروری ہے، تنہا اسلام کی محبت کافی نہیں، اس کے ساتھ خلاف اسلام فلسفوں، اور دعوتوں کی نفرت بھی لازمی ہے، بلکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر طاغوت اور شیطان، اور جاہلیت کے داعیوں سے بغاوت اور بیزاری کا ایمان باللہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے:۔

فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ (سورہ بقرہ ۲۵۶)

پس جو کوئی سرکش کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

خود کلمہ میں نفی کو اثبات پر مقدم رکھا گیا ہے، اور الا اللہ سے پہلے لا الہ کہا گیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی، اور ایک مسلمان اس وقت تک حقیقی ایمان کا ذائقہ شناس نہیں ہوسکتا جب تک اس کو کفر اور مظاہر کفر سے وحشت اور دہشت نہ پیدا ہو، صحیح بخاری میں ہے:۔

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما، وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ، وان یکرہ ان یعود فی الکفر بعد اذ انقذہ اللہ منہ، کما یکرہ ان یلقی فی النار (صحیحین)

تین باتیں جس میں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کو ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی انسان سے اس کو محض اللہ کے لئے محبت ہو، تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے کے تصور سے جبکہ اللہ نے اس کو اس سے نجات دے دی، ایسی وحشت اور نفرت ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کے خیال سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں

ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم نے دینی جذبہ، عبادت کا ذوق، اور دینی معلومات کی ترقی کی جتنی کوشش کی، اتنا شعور صحیح اور بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سے اسلامی ملکوں میں عمل اور شعور میں وہ تناسب نہیں جو ہونا چاہئے، ایک آدمی آپ کو بڑا دیندار، عابد وتہجد گزار ملے گا، لیکن اس کا دینی شعور بالکل ناپختہ اور طفلانہ ہوگا، بعض مرتبہ وہ دین کی بنیادی تقاضوں سے ناواقف نظر آئے گا، اور وہ ایسی غلطی کر بیٹھے گا، جو کسی صاحب شعور مسلمان سے حد درجہ مستبعد ہے، یہ ممکن ہے کہ وہ جاہلیت اور اسلام کا بالکل فرق نہ سمجھتا ہو، اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ کسی جاہلی دعوت اور کسی عیار وشاطر دعوت کا شکار ہو جائے اور وہ اس کو اپنے مذموم مقاصد، اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ نیک نیتی اور سادگی کے ساتھ اس کام کو انجام دے، اور اس عمل میں اور دین کے تقاضوں میں اس کو کوئی تضاد محسوس نہ ہو، تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی، اور حالیہ واقعات اس کا بدترین نمونہ ہیں، جن میں ان مسلمانوں نے جو اپنے دینی جذبہ میں ہندوستان کی دوسری آبادی کے مقابلہ میں زیادہ نیک نام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اثر پذیری، اور رقت قلب کا حصہ وافر عطا فرمایا، جو دین اور شعائر دین سے والہانہ محبت رکھتے تھے، جو وعظ کی مجالس اور دینی اجتماعات میں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے، اور پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے، بہت سے مقامات میں سیاسی شاطروں کی چالاکی کا شکار ہوگئے، اور اس خونی کھیل میں شریک ہوگئے، یا کم سے کم اس فتنہ کا اس جرأت سے مقابلہ نہیں کر سکے جس جرأت سے ایک صاحب شعور قوم کو کرنا چاہئے تھا۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

جناب سمیع اللہ صاحب جوندوہ کے دفتر مالیات میں ملازمت سے وابستہ رہے، جون کے تیسرے عشرہ میں اپنے رب سے جاملے۔ ندوہ سے فکری ہم آہنگی کے علاوہ مرحوم جماعت تبلیغ میں بھی فعال وسرگرم رہے۔ شعر وشاعری کا بھی پاکیزہ ذوق پایا تھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے۔

پرانے چراغ

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ

(ایک غیر مطبوعہ مضمون)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ گذشتہ صدی کی ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے اصلاح معاشرہ اور دعوت حق کے کام میں بہت توجہ اور فکرمندی کے ساتھ حصہ لیا، اور اپنے ماہنامہ کے ذریعہ سے جو الفرقان کے نام سے انہوں نے شروع کیا تھا عقائد کی اصلاح اور اعمال حسنہ کی تلقین اور بھٹکے ہوئے ذہنوں کی اصلاح کی خدمت اپنی تحریروں اور اپنے رفقاء دعوت کی تحریروں کے ذریعہ انجام دی۔ ان کا ربط وتعلق یوں تو اپنے وقت کے اکثر دعوتی کام کرنے والے اور شیوخ اصلاح وارشاد سے رہا، لیکن بعض عظیم شخصیتوں سے ان کی تحریکی کام میں بھی مشارکت رہی اس سلسلے میں انھوں نے اپنے کاموں کی ابتدا اہل بدعت وضلال سے مناظروں کے ذریعہ کی، پھر مثبت کام کے اس رجحان کی تائید کی جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر اور طریقہ کار سے تعلق رکھتا تھا۔ بلکہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودیؒ کے کام کی تحریکی ابتدا کے موقع پر بھی انہوں نے ان سے مشارکت کی، بعد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی دعوت وتبلیغ سے قریبی واقفیت پر اپنی عملی وتحریکی توجہات ادھر منتقل کردی۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک کو عملی طور پر پوری طرح اپنالیا البتہ ان کا عمل، دعوت فکر، تحریری طریقہ سے بھی جاری رہا، جو الفرقان کے ذریعہ اور تصنیفی طریقہ سے بھی انجام پاتا رہا، اور اس طریقہ سے ان کے دعوتی اور فکر اسلامی کے عمل کے دو پہلو ہیں۔ ایک خالص عملی، جو مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے طریقہ کار کے مطابق تھا۔ دوسرا فکری و علمی جو تحریر وتصنیف کے ذریعہ ہوتا تھا، مولاناؒ کو حالات زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا تقاضہ بھی شروع سے رہا کہ ان کو ان کے ہم فکر وہم ذوق رفقاء بھی حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں ان کو کئی رفقاء ملے جن میں سب سے طویل مدت کے لئے بلکہ ان کی مذکورہ کوششوں کے آغاز سے وفات تک جاری رہنے والی رفاقت، طریقہ عمل اور انداز فکر وذوق میں مشارکت مولانا سید ابوالحسن صاحب ندویؒ سے رہی، یہ مشارکت اتنی قوی ہوگئی کہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہو گئے تھے، عملی کاموں میں بالکل حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے تھے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ مشارکت فکری کے وقت سے لے کر بعد میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک دعوت وتبلیغ کے طریقہ کار سے وابستگی کے عہد میں دونوں شریک کار رہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ تحریری اور تصنیفی کاموں کی اہمیت کو تسلیم کرنے میں دونوں ہم خیال رہے۔ اور اپنے اپنے دائرے میں یہ خدمت بھی انجام دیتے رہے، اور دیگر دینی دلچسپیوں میں دونوں ایک دوسرے کے مشیر اور بڑی حد تک رفیق کار رہے، اس میں وہ دور بھی آیا جب ملت کے نیم سیاسی مقاصد کے لئے کوششیں کرنے کی ضرورت بھی محسوس کی، جس میں جماعتی سیاست سے الگ رہتے ہوئے ملی مصالح کے نیم سیاسی طریقوں کو اختیار کیا، چنانچہ دینی تعلیمی کونسل جس کے صدر مولانا ابوالحسن صاحب ندویؒ ہوئے اور اسے مسلم مجلس مشاورت جس میں دونوں نے قائدانہ حصہ لیا اور خود ندوۃ العلماء کے تعلیمی و انتظامی معاملات جس کے ذمہ دار مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تھے، میں مشوروں اور تعاون سے پوری شرکت کی۔ یہ سلسلہ نمایاں طریقہ سے اسی وقت تک چلا ہے جب مولانا نعمانی کو ایک سڑک حادثے میں چوٹ لگی اس کی وجہ سے ایک معذوری کی کیفت پیدا ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے اپنی اختیار کردہ مصروفیات کو کم کرنا اور کچھ چھوڑنا پڑا، اور مزید یہ بات بھی پیش آئی کہ ایک مدت تک قیام ایک ہی عمارت میں یعنی لکھنؤ کے مرکز تبلیغ میں تھا۔ وہ بدل کر مولانا دوسری جگہ ایک مکان میں، اور مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ندوۃ العلماء میں رہنے لگے۔ ان سب کی وجہ سے وہ بات نہ رہی۔ لیکن تعلق اور عملی مشارکت جاری رہی۔

مولانا محمد منظور صاحبؒ نعمانی کو اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیتوں اور جذبہ عمل سے نوازا تھا۔ جس پر نمایاں طور پر ان کی کوششوں اور مشغولیتوں میں نظر آتا تھا۔ اپنی صلاح وفلاح کے لئے ایک تڑپ اور مسلمانوں کی اصلاح حال کے لئے ایک اعلیٰ جذبہ صاف محسوس کیا جاتا تھا۔ جس کے لئے جو مروجہ طریقے ان کے سامنے آئے ان کو انہوں نے اختیار کیا۔ چنانچہ درس قرآن وحدیث اور عوامی خطاب کے موقعوں پر اور اپنے اہل فکر کی مجالس میں

اپنی بات کہتے اور توجہ دہانی کے عمل کو برابر اختیار کرتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ شخصی زندگی میں عبادت اور سنت کی اتباع کی پوری کوشش اور اصلاح باطن کی پوری فکر صاف دیکھی جاتی تھی۔ وہ ایک طرف رہبر ملت اور واعظ وخطیب اور معلم ومصنف اور اصلاح معاشرہ کی کوششوں اور تبلیغ دین میں عملی شرکت یا عملی طور پر شریک رہے تو دوسری طرف وہ تصوف وتزکیہ کی راہ کے رہبر بھی تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

مولاناؒ نے ان مذکورہ خصوصیات کی بنیاد پر امت کے اس طبقہ پر جس سے ان کو واسطہ پڑا بہت مفید اثر ڈالا اور اپنی تحریری کوششوں سے اس کے لئے بہت اچھا مواد اکٹھا کر دیا ان کا اسلوب تحریر بلکہ اسلوب تقریر بھی سادہ اور عام فہم ہوتا تھا اور دین کی بنیادی اور عملی تعلیمات کے موضوع کو ترجیح حاصل رہتی تھی۔ چنانچہ ان کی کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' سے اسلامی بنیادی تعلیمات کو واضح اسلوب میں پیش کرنے کا ایک اچھا نمونہ سامنے آیا۔ اور کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں بھی ہوا، اس کے علاوہ مولانا نے درس حدیث ایک سلسلہ اپنے رسالے الفرقان میں شروع کیا تھا۔ جو مختلف موضوعات پر مفید ہوتا چلا گیا اور پھر مولانا نے اس کی افادیت محسوس کرتے ہوئے اسے کتابی شکل دے دی جو آٹھ (۸) جلدوں پر مشتمل ہے اور زندگی سے تعلق رکھنے والی ہے، وہ مولانا کا امت کے ایسے اہل علم حضرات کے لئے جو عربی سے واقف نہیں ہیں ایک بہت قابل قدر تحفہ ہے جو مولانا کے لئے برکت اور آخرت میں اجر کا یقیناً بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ان کے علاوہ دین کے متعدد اور متنوع موضوعات پر بھی مولانا کی کتابیں ہیں جو مولانا کے اس دنیا سے آخرت کی طرف رخصت ہونے کے بعد ان کے شروع کئے ہوئے عمل کے جاری رہنے کا ذریعہ اور ان کی یادگار ہے۔ مولانا کے چار صاحبزادگان ہیں جو سب کے سب علم دین کے حاصل کرنے والے ہیں اور ان میں سے متعدد اپنے علمی اور دعوتی صلاحیتوں کے لحاظ سے معروف اور معاشرے پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔ انہوں نے مولانا کے جاری کردہ رسالے الفرقان کو اس کے مقاصد کے تحت قائم رکھا۔ اس کے سلسلے میں مولانا مرحوم کی نیابت کر رہے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی علمی اور فکری راہ میں اپنے قلم سے خدمت انجام دے رہے ہیں اور چھوٹے صاحبزادے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد ندوی تحریر وتنظیم کے ذریعہ ملت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ اور دوسرے اور تیسرے صاحبزادگان جناب حفیظ نعمانی صاحب اور مولوی محمد حسان نعمانی ندوی انتظامی اور عملی کاموں میں اپنے شخصی دائرے کے اندر رہتے ہوئے مصروف ہیں۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ کے دینی کاموں میں مشارکت اور رفاقت ایک تابناک دور کی حیثیت سے یاد رکھا جا سکتا ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کی جو ملی مشکلات اور دینی تقاضے اور فکری رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو پوری توجہ اور فکرمندی سے کام میں لگایا اور ایک طرف مسلمانوں کے عوامی طبقے کو وعظ ونصیحت کے راستے سے فائدہ پہونچایا اور دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقوں کی دینی الجھنوں اور بے اعتنائی کو رفع کرنے کا مفید کام انجام دیا۔

تیسری طرف شریعت اسلامی کے تحفظ اور دینی تعلیم کے میدان میں جو خطرات اور تقاضے تھے ان کی بھی ضروری فکر کی اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس کے مسائل کو حل کرنے اور شریعت اور دینی تعلیم کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوششوں میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اسی بنا پر ہندوستان کی ملت کے رہبروں میں ان دونوں کا نام ایک ساتھ چلتا ہے۔ اور ان کاموں میں ان دونوں کی مشارکت ایسی رہی کہ خاصی مدت تک دونوں کا کام ان کوششوں کے سلسلے میں نمایاں اور ایک ساتھ آتا رہا۔ اور متعدد ملی تحریکوں کے قیام کے سلسلے میں ان کا نام سرفہرست رہا۔ مثلاً دینی تعلیمی کونسل، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور بعض غیر سیاسی ملی تنظیمیں ہیں جنھوں نے مثبت اور تعمیری کام کو اپنا مقصد بنایا۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کو جب سے صحت کی معذوری پیش آئی اور مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ اور ان کے درمیان مشارکت اور رفاقت اس طرح نہیں رہی جس طرح پہلے تھی۔ لیکن دونوں کی فکری اور عملی کوششیں اپنی اپنی جگہ پر جاری رہیں۔ حسب ضرورت مشورے کے ذریعہ مشارکت رہی دونوں شخصیتوں کی ایک دوسرے سے وابستگی اور قرب اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ دونوں کے خاندان کے آپسی تعلقات بہت قریبی اور محبانہ تھے اس طرح ملت کے لئے فکرمندی اور حسب تقاضائے وقت کام میں یکجہتی اور مشارکت سے ملت کی ضرورت کے لئے کوشش کو بڑی تقویت حاصل رہی۔ دونوں حضرات کی معاصرت اور مشارکت کے آخری دور میں دونوں کے دیگر رفقاء اور معاونین کے اپنے اپنے رجحانات کے کچھ اثرات ان دونوں

حضرات کی فکری یکجہتی پر کسی حد تک پڑے جس کی بنا پر بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرا کہ دونوں کی مشارکت و رفاقت میں دراڑ پیدا ہوگئی ہے لیکن لوگوں کے اس خیال میں سوءظن کا اثر تھا اور حقیقت میں دونوں کے مابین آپسی محبت اور تعلق خاطر قائم رہا۔ دونوں کی صحت کی کمزوری اور بڑھاپے کے اسباب نے ان کے معاونین پر کام کی ذمہ داریاں بڑھادی تھیں اور وہ معاونین اپنی اپنی طبیعت اور صلاحیت کے مطابق کام کرتے رہے۔ اور ان دونوں حلقوں کے سلسلے میں جو سوءظن تھا اس کا الحمد للہ کوئی ضرر نہیں پہونچا بہر حال معاونین جو ان کے نائبین ہوئے وہ آپسی تعلق کے ساتھ ساتھ ملت کی جو خدمت ان کے کرنے کی ہے، وہ انجام دے رہے ہیں اور ان کے سامنے اپنے بڑوں کا نمونہ ہے۔ بہر حال ان عارضی اور وقتی حالات کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں، دیکھنے کی بات یہ ہیکہ دونوں شخصیتوں نے کیا اثر ڈالا اور شمع کی حیثیت سے مسلم معاشرے کو کیا فائدہ پہونچایا اور اپنا جو علمی و دعوتی سرمایہ چھوڑ گئے تھے اس کی کیا اہمیت ہے اور اس سے نئے کام کرنے والے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی جو ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے انہوں نے ملت کے مسائل کے حل کے لئے اور شریعت و دین کے تحفظ کے کام کو اس عہد میں شروع کیا تھا جب وسائل کی بہت کمی تھی۔ اور حالات بہت کم سازگار تھے۔ اور دشواریاں خاصی تھیں۔ ان میں اپنا راستہ بنانا اور مقصد کی طرف عزم و ہمت کے ساتھ بڑھنا اور اسلامی فکر و رجحان کی آبیاری کرنا ایک عظیم کام تھا۔ جس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو محسوس کیا جاسکتا ہے ایسی شخصیتیں کم پیدا ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہیں وہ اپنے کام کے تذکروں کو تاریخ کا باب بنا دیتی ہیں۔ میں نے مولانا کو ان کے مختلف کاموں اور مختلف حالات میں ان کی فکرمندیوں کو دیکھا ہے۔ اور مجھے ان سے اپنے ماموں مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ کے توسط سے بہت قربت حاصل کرنے کا موقع ملا اور ان کی شفقت سے سابقہ پڑا حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ میرے ماموں اور سرپرست تھے ان کے سفر یا غیر موجودگی میں مجھے مولانا کی شفقت اپنے لئے اپنے ماموں کی شفقت کے قائم مقام معلوم ہوتی تھی۔ مولانا کی توجہات اور مشورے اور میرے ساتھ جوان کا احساس تعلق تھا، مجھے برابر یاد ہے اور میرے دل میں ملی طور پر اور ذاتی طور پر بھی ان کی بڑی عزت تھی۔

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین" تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44,Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Tel:3460220,3468708

۱۲ نمبر اور ۱۲× کی اسپشل چائے استعمال کیجئے

یہ کہ جب بھی تقویٰ میں کوتاہیوں سے نقصان لاحق ہو تو سے تلافی کر کے تقویٰ کی تجدید کر لی جائے اور یہ عمل استمرار اور دوام کے ساتھ ہو (از حکیم اختر صاحب) ذکر سے مراد صرف زبان ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ ہر عضو کا ذکر ہے۔

ظاہر کی اصلاح کے تعلق سے یہ بات فرمائی کہ:

''میں نے ایک جگہ ظاہر کی اصلاح پر بہت تاکید کی، تو ایک صاحب نے کہا کہ اگر باطن ٹھیک ہو تو ظاہری وضع قطع یعنی داڑھی وغیرہ کے اوپر سختی کی کیا ضرورت ہے، میں نے کہا کہ آپ تاجر ہیں، آپ اپنی دوکان کا سائن بورڈ الٹ کر لگا دیجئے تو کہنے لگے لوگ مجھے پاگل کہیں گے اور دماغی توازن کے خراب ہونے پر دلیل قائم کر لیں گے تو میں نے کہا کہ اس وقت اس سائن بورڈ کا باطن تو ٹھیک ہوگا، صرف ظاہر خراب ہوگا، تو آپ نے کیوں پاگل ہونے اور دماغی توازن کی خرابی کا سرٹیفکٹ خود ہی دے دیا تو کہنے لگے مولانا اب سمجھ میں بات آگئی بعض وقت مثالوں سے بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ (۴۳۴)

اخلاص اور تصحیح نیت کے تعلق سے بڑی باریک بات یہ فرمائی کہ:

''ہر عمل کا مدار نیت پر ہے ایک شخص اختلاط سے بچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مجھ سے اذیت نہ پہونچے اور دوسرا یہ نیت کرتا ہے کہ لوگوں سے مجھے اذیت نہ پہنچے اول نیت پر اجر ہے دوسری نیت پر زجر ہے کیونکہ دوسری نیت میں اپنے ساتھ حسن ظن اور مخلوق خدا کے ساتھ بدگمانی ہے، اور اول نیت میں

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

شعور و آگہی

دہرہ دون کا ایک دعوتی سفر

حالات حاضرہ پر حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا دانشوروں کے اجتماع سے ایک اہم خطاب

عبدالوکیل بارہ بنکوی

(۹ رجون ۲۰۰۵ کو ڈاکٹر سید محمد فاروق صاحب (ہمالیہ ڈرگس) دہرہ دون نے شہر کے دانشوروں کو مدعو کیا۔ جن میں جسٹس حیدر عباس رضا، شہر قاضی اور دوسرے معززین شہر شامل تھے۔ دانشوروں کے اس مجمع سے اپنے افتتاحیہ کلمات میں ڈاکٹر فاروق صاحب نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی مدظلہ العالی کی دہرہ دون آمد پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور ان کی تشریف آوری کو غنیمت جانتے ہوئے حالات حاضرہ سے متعلق چند سوالات رکھے۔ جن کا تعلق دہشت گردی، اصلاح معاشرہ و دعوت اسلامی وغیرہ سے تھا۔ ان کی افتتاحیہ تقریر کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے جو خطاب فرمایا اس کا خلاصہ قارئین کے افادہ کے لئے پیش ہے۔)

''اس وقت بڑے اہم موضوعات پر دعوت سخن دی گئی ہے افسوس کہ دہشت گردی کا اسلام سے رشتہ جوڑا جارہا ہے۔ دہشت گردی کی بات ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے اس مدت میں کئی الفاظ استعمال کئے جاتے رہے۔ اور اب آخر میں دہشت گردی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس مزاج نے مسلمانوں کو کچلنے اور دبانے اور ان میں خوف وذلت کی نفسیات کو پیدا کرنے کا کام کیا۔ مشرقی قوموں کے ساتھ بھی ایسے ہی حالات پیش آئے۔ ظلم و جبر کے ذریعہ لوگوں کے دماغوں کو جھنجھوڑ ڈالا گیا۔ اس کے بعد ان کے ذریعہ آزادی کے لئے کوششیں شروع ہوئیں اگرچہ آزادی حاصل تو ہو گئی۔ مگر فکری جنگ جاری رہی اور وہ تعلیم و ثقافت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنا کام کرتے رہے۔ اس کی بدترین صورت فلسطین میں الجزائر میں ظاہر ہوئی نوجوانوں میں ردعمل ہوا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے اس کے مقابلے کی ٹھانی۔ ان کے دفاع کے اس انداز کو سامراج نے دہشت گردی سے تعبیر کیا۔

اسلام سلم سے ہے سلم امن کو کہتے ہیں۔ اسلام امن کا پیغام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اقدام فرمائے وہ اسوقت فرمائے ہیں جب آپ کے خلاف اقدام ہوا۔ جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں شہداء کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ جبکہ مغربی قوموں نے جو جنگیں لڑی ہیں ان میں لاکھوں آدمیوں کا خون بہایا اور یہ جنگیں صرف اپنی برتری کے لئے تھیں اور اپنی بالادستی کے لئے کشت وخون کیا گیا۔

اسلام کی تاریخ ہمدردی کی تاریخ ہے۔ ہمارے مؤرخین نے اسلام کی جو تاریخ رقم کی ہے وہ اصل میں حکمرانوں کی تاریخ ہے جس میں ٹکراؤ، جنگوں اور حکمرانوں کی آپسی کشمکش کا ذکر ہے۔ گویا یہ اخلاق سے روگردانی کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ میں ہمدردی و خیر خواہی کی تاریخ کی باتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جنگ تو کسی بھی قوم سے ہو سکتی ہے۔ اس کو لے کر اس کی جزئیات سے بحث کی گئی اور اس طرح اس کو پیش کیا گیا کہ بس یہی ہوتا رہا ہے۔ جنگیں ہی لڑی جاتی رہی ہیں جب کہ ہماری تاریخ انسانیت نوازی اور اخلاق و ہمدردی نیز رشد و ہدایت کی تاریخ رہی ہے۔

۱۱ ستمبر کی بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ امریکہ نے اپنے مفاد کے لئے ایک گہری سازش کے تحت یہ سب کچھ کرایا اور اس کا الزام اسلام اور مسلمانوں پر ڈال کر اسے بدنام کرنے کا کام کیا۔ بے گناہوں کو سزا دینے اور ہلاک کرنے کا اقدام کیا چاہے اسامہ کا نام لیں، طالبان یا القاعدہ کا یا کسی بھی تنظیم کا، یہ سب ایک فریب ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی طرف سے اس کی بالکل اجازت نہیں ہے کہ کسی پر ظلم کیا جائے۔

ابھی ہمارے میزبان ڈاکٹر فاروق صاحب نے اصلاح معاشرہ کے متعلق کچھ عرض کرنے کی درخواست کی۔ الحمدللہ ہم مسلمانوں میں یہ خوبی ہے کہ ہم دین کے برخلاف خرابیوں اور کمزوریوں کو دیکھ کر ان کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ادھر ۷۰۔۸۰ سال میں جو حوادث پیش آئے اس کے ردعمل میں فرقہ وارانہ ذہنیت کو پنپنے میں مدد ملی اور اس کی بنیاد پر لوگوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اور تاریخی واقعات کی اسی فکر کے دائرے میں رہ کر تشریح کی نتیجہ میں ٹکراؤ والا ذہن بنا لیکن اس کے بالمقابل حق یہ تھا کہ داعیانہ کردار ادا کیا جانا چاہئے تھا۔ اور تقریروں اور تحریروں کا رخ اسی رخ پر ہونا چاہئے تھا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ عموماً ردعمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ایک عام ذہنیت کی وجہ سے ٹکراؤ کا ذہن رکھنے والے لوگ عوام کے سامنے آتے ہیں۔ جبکہ دعوتی ذہن رکھنے والے محبت

اور انس اور ہمدردی کی بات کرتے ہیں۔ باہمی عداوت اور نفرت ان کی گفتگو کا حصہ نہیں ہوتی لیکن افسوس ہے کہ یہ سب میڈیا کی کمال ہوشیاری ہے کہ وہ دعوتی ذہن رکھنے والوں کی باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے البتہ ٹکراؤ و تصادم کی باتوں کو عوام کے سامنے لاتا ہے۔ نتیجہ میں میڈیا اخلاق کو بگاڑنے، غلط فکر کو ہموار کرنے اور نفرت کو ابھارنے کا کام کر رہا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پیام انسانیت کی تحریک اسی لئے شروع کی تھی کہ وہ عوام میں انسانیت کے پیام کو عام کریں، لوگوں کے دلوں کو جوڑیں، نفرت کے کانٹوں کو راہ سے ہٹائیں۔ چنانچہ ان کی حیات میں پیام انسانیت کے بڑے بڑے اجلاس ملک کے اہم ترین شہروں میں منعقد ہوئے، مولانا فرماتے تھے کہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس حقیقت کو بیان کرنے والا آج کوئی نظر نہیں آتا کہ جو یہ کہے کہ اگر ہمارے ملک کا رخ اسی طرح خطرناک رہا اور ملک اسی ڈگر اور راستے پر چلتا رہا تو یہ ملک برباد ہو جائے گا۔ ملک کی تعمیر و ترقی ان کی ایک حسین آرزو و تمنا تھی اور ملک کی تباہی کے تصور سے ان کی روح کانپ اٹھتی تھی۔ میڈیا کو چاہئے کہ وہ مثبت اور تعمیری کردار ادا کرے، دلوں کو جوڑنے کا کام کرے۔ محبت کے پنپنے کی بات کرے، ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ میڈیا جب ہم سے ملتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایسی بات کہی جائے جو مسالے دار ہو اور جس سے قوموں کے مابین نفرت و دعوت کی خلیج کو مزید بڑھایا جا سکے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مزاج داعیانہ ہو اس میں صالحیت ہو، اس کا رخ تعمیری ہو، اگر یہ مزاج بنے گا اور خصوصاً میڈیا کا بنے گا تو صحیح اور سچی بات کو غلط اور تخریبی انداز میں پیش کرنے کا رواج ختم ہو سکے گا، اور اس سے سماج کے بناؤ میں بڑا کام ہوگا۔ اس کی ایک مثال یوں لیجئے کہ جب تاریخ میں ذکر جنگ کا آتا ہے تو جنگ کی بات کی تفصیل بیان کرنی پڑتی ہے اس موقع پر نازل شدہ آیات کریمہ کو بیان کرنا پڑتا ہے لیکن اگر اسی بات کو ایک واعظ وخطیب بیان کرے گا تو اس کا انداز اور اس کا رنگ جداگانہ ہوگا اس سے نفرت کے شعلے نہیں بھڑکیں گے بلکہ محسوس ہوگا کہ دنیا کا نظام ایسا ہے کہ قیام امن کے لئے کبھی جنگ بھی ناگزیر ہو جاتی ہے وہ انداز تفہیم کا ہوگا، غلط فہمیوں کو دور کرنے والا ہوگا۔ اس کے برخلاف جب میڈیا اس واقعہ کو لکھے گا، یا بیان کرے گا تو اس کا انداز منفی ہوگا، اور قوموں کے مابین عداوت کے پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ میڈیا کا یہ رویہ بے محل ہوگا، ناروا بھی اور نفرت کا پرچار کرنے والا اور قابل مذمت بھی تو اسے غلط نہیں کہا جا سکتا۔

بقیہ: ایک شمع رہ گئی تھی

گی؟ یہ اور اس جیسے بہت سے سوالات ذہنوں میں کلبلا کر بے چین و بے قرار کر رہے ہیں..... مگر حقیقت بہر حال یہی ہے کہ حق کا کارواں چلتا ہی رہے گا۔ اللہ کے دین کا کام کسی بھی شخصیت کا محتاج نہیں ہے۔ جس کا کام ہے وہی اپنے کام کیلئے افراد پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہ نظام انشاء اللہ یوں ہی چلتا رہے گا۔

ہاں ہماری حضرت والاؒ سے سچی وابستگی، اور حقیقی عقیدت کا تقاضا یہ ضرور ہے کہ ان کے جلائے ہوئے چراغوں کو ہم روشن رکھیں اور ان کے مشن کا اپنے کو وارث سمجھ کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوشاں ہوں..... بس یہی ہے ان کو سچا خراج عقیدت!

سدا رہے نام اللہ کا

بقیہ: مجالس ابرار کی ایک جھلک

اپنے ساتھ بدگمانی اور مخلوق خدا پر شفقت ہے۔ (۴۸۸)

بعض معمولی چیزوں کے غیر معمولی اثرات و نتائج کے سلسلہ میں فرمایا:

''بعض چیزیں بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں، مگر اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے نہایت خطرناک ہوتی ہیں جیسے بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا نہایت تاکید سے منع کیا گیا ہے، فرمایا گیا ہرگز کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے بظاہر تو معمولی بات ہوتی ہے مگر چونکہ اس صورت سے شیطان کھاتا ہے پس اس عمل شیطانی کی صورت کی نقل سے اس کی سیرت بھی منتقل ہو جائے گی اور پھر شیطانی اثرات سے حب جاہ، بڑوں پر اعتراضات، بدگمانی اور حسد کی بیماری شروع ہو جائے گی۔ (۴۸۹)

ہدایت کے تعلق سے بڑی بلیغ بات یہ ارشاد فرمائی کہ:

''حضرت خواجہ صاحب اجمیری (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) کی کوششوں سے نوے لاکھ کافر مسلمان ہوئے، اور حضور اکرم ﷺ سے بعض لوگ اسلام نہ لائے، اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ غافل ۲۔ سائل ۳۔ مائل ۴۔ جاہل ۵۔ مجادل

اول ۴ قسم کے لوگوں کو نفع ہوتا ہے پانچویں قسم کو ہدایت نہیں ہوتی، خواجہ صاحبؒ سے جو اسلام لائے وہ اول چار قسم کے لوگ تھے اور حضور اکرم ﷺ سے بعض لوگ جو اسلام نہیں لائے وہ پانچویں قسم کے تھے، مجادل کو نفع نہیں ہوتا، شیطان مجادل تھا مردود ہوا، مجادل کی طبیعت ضدی ہوتی ہے، اس کی مثل مشہور ہے، پنچوں کا فیصلہ سر پر، مگر نالہ رہے گا یہیں پر۔ (۴۱)

☆☆☆☆☆

کسی بھی آسمانی کتاب کی بے حرمتی کرنا
اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے

از: حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

میں اس وقت جناب پوپ پال صاحب اور صدر جارج بش اور ساری دنیا کے عیسائی بھائیوں اور یہودی عوام سے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مختلف مذاہب کی بھی جتنی مذہبی کتابیں ہیں ان سب سے تعلق رکھنے والوں سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید کی بے حرمتی کا جو واقعہ پیش آیا ملکوں ملکوں ساری دنیا میں اس کا چرچا ہے۔ اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ جو چیز میں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کی بے ادبی جن لوگوں نے کی ہے ان لوگوں نے اگر قرآن کو پڑھا ہوتا تو یہ حرکت ہرگز نہ کرتے۔

قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ مسیح اور ان کی والدہ حضرت مریم کی بھی تعریف کن الفاظ میں کی گئی ہے، اسی قرآن میں حضرت موسیٰ اور حضرت داؤدؑ کی بھی توصیف بیان کی گئی ہے، یہ صرف قرآن ہی کی توہین نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ہی انجیل، تورات اور زبور کی بھی بے حرمتی ہے۔

قرآن کہتا ہے۔ ولیحکم ..... تا ..... هم الفستون۔ (۵ المائدة آیت ۴۷)

معنی: اور انجیل والوں پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں حکم نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو شخص بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے یا نہ مانے تو بس یہ لوگ فاسق ہیں یعنی بڑے ہی بے ڈھنگے، نافرمان، بے حکم لوگ ہیں۔

جو انجیل کو نہیں مانتا اس کو قرآن ''فاسق'' (نافرمان) کہتا ہے۔ اور حضرت مسیح کو کوئی ''میسینجر آف گاڈ'' نہ مانے تو قرآن اس کو بھی جھوٹا کہتا ہے۔ قرآن حضرت موسیٰ کو بھی اللہ کا نبی مانتا ہے اور ''تورات'' کی بھی تصدیق کرتا ہے۔

انا انزلنا التورة ..... تا ..... هم الكفرون۔ (۵۔ المائدة آیت ۴۴)

ترجمہ: بے شک تورات بھی ہم نے نازل کی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اسلام لانے والوں پر اور یہودی بن جانے والوں پر اللہ کے نبیوں نے اسی کتاب کا فیصلہ لاگو کیا اور تمام خدا پرست درویش اور عالم لوگ بھی اسی کتاب کے پابند بنائے گئے تھے، اس لئے کہ یہ سب کے سب اللہ کی کتاب کی حفاظت کے ذمہ دار اور اللہ کے حکم کو جاری کرنے کے گواہ بنائے گئے تھے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ میں دنیا کے انسانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ تورات، انجیل، زبور میں جو احکامات ہیں اور ان احکامات میں ہیرا پھیری اور تبدیلی نہیں ہوئی ہو تو چاہئے کہ وہ مذہبی قسم کے ہوں یا چاہے وہ احکامات عدلیہ سے تعلق رکھتے ہوں اس کی بھی قرآن نے تصدیق کی ہے۔ اسکے لئے کچھ آیتیں سامنے رکھئے۔

وکتبنا علیهم ..... تا ..... هم الظلمون۔ (۵۔ المائدة آیت ۴۵)

ترجمہ: اور ہم نے (تورات میں) ان پر حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ بھی اسی طرح دلایا جانا چاہئے، پھر جس نے بدلہ لینے کے حق کو صدقہ کر دیا یعنی معاف کر دیا تو مارنے والے کو چھوڑا جا سکتا ہے اور جو کوئی اس حکم کو لاگو نہ کرلے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

یہ حکم قرآن میں جوں کا توں موجود ہے جبکہ یہ حکم تورات میں نازل ہوا تھا اس کے معنی تو یہی ہوئے کہ یہ بے حرمتی صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ تورات کی بھی بے حرمتی ہوئی۔ مزید یہ کہ حضرت محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اندر بھی ''بلڈ کمپنسیشن'' (BloodCompensation) (یعنی خون کے ہرجانے) کا حکم بھی وہی ہے جو تورات کے اندر تھا۔

اور خود عیسائی بھائیوں کے لئے بھی قرآن فرماتا ہے۔

ولتجدن ..... تا ..... لا یستکبرون۔ (۵۔ المائدہ آیت ۸۲)

معنی: اور دوستی میں ایمان والوں کے زیادہ قریب تم ان لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ (یعنی عیسائی) کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں سمجھدار عالم اور درویش لوگ موجود ہیں اور یہ اپنی بڑائی نہیں ہانکتے۔

ساری دنیا کو یہ بات جاننے کے لئے صرف قرآن میں ملے گی کہ دنیا میں جتنی آسمانی کتابیں نازل کی گئی ہیں ان میں جن کے نام مشہور ہیں وہ قرآن، انجیل، تورات، زبور صحف ابراہیم ہے نیز انبیاء یعنی اللہ کے رسولوں میں جن کے نام انجیل،

تورات، زبور میں آئے ہیں قرآن نے ان سب کی تصدیق کی ہے۔ جیسے فرمایا کہ۔

ان ھذا لفی الصحف الاولی (الاعلی: ۱۸) یعنی بیشک پہلے آسمانی صحیفوں کے جو بیان تھے ان سب کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ولقد ارسلنا ..... تا لم نقصص علیك. (۴۰۔ سورہ مومن آیت ۷۸)

معنی: آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول ہم بھیج چکے ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جن کے احوال ہم نے آپ ﷺ پر بیان کر دیئے اور بہت سے وہ رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے آپ ﷺ پر بیان نہیں کئے۔

قرآن مجید اگر اس اطلاع کو بیان نہ کرتا تو آسمانی کتابیں اور آسمانی دین ہر زمانے میں جب جب زمین کے انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی اس لئے قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ۔

وانزلنا الیك ..... تا ..... بالحق۔ (۵۔ المائدۃ آیت ۴۸)

ترجمہ: اور یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کو سچا کر دکھاتی ہے اور ان سب کتابوں پر نگہبان اور محافظ ہے تو بس اب ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی اسی کتاب یعنی قرآن کے مطابق فیصلہ کرو جبکہ تمہارے پاس کھلا ہوا حق آچکا ہے اور ان کی کسی خواہش کو قبول نہ کرو۔

حضرت محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قرآن کہتا ہے۔

وقل آمنت بما انزل اللہ من کتٰب (۴۲۔ الشوری آیت ۱۵)

معنی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اعلان کر دو کہ اللہ نے کتاب میں جو بھی نازل فرمایا ہے میں سب پر ایمان لایا۔ اب تمام مذاہب کے لوگ اس بات کو مان لیں کہ قرآن مجید کی بے ادبی کرنا، انجیل، تورات، زبور اور سب آسمانی کتابوں کی بے ادبی کرنا ہے اور اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کی بے ادبی کرنا ہے۔ اسلئے چاہے مسلمان ہو عیسائی ہو اسرائیلی ہو یا پھر یہودی ہو صابی ہو مجوس ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو سبھوں پر لازم ہے کہ ہم کسی بھی آسمانی کتاب کی اور اللہ کے کسی نبی کی بے ادبی سے باز رہیں۔

سبھی آسمانی کتابوں کی دعوت ایمان اور اسلام ہی رہی سبھی نبیوں اور رسولوں کا دین اسلام ہی رہا۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ، امنا باللہ، واشھد بانا مسلمون۔ (۳۔ آل عمران آیت ۵۲)

معنی: تب عیسیٰ مسیح سے کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم ایمان لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے اسلام قبول کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کی دعوت بھی اسلام ہی تھی۔ حضرت ابراہیم بھی اعلان کرتے ہیں۔ انني من المسلمین۔ اور یہ بیان بھی آیا ہے کہ یحکم بھا النبیون الذین اسلموا۔ تورات کے پہلے اور بعد آنے والے جتنے بھی نبی تھے وہ سب کے سب اسلام کی طرف ہی دعوت دینے والے تھے۔

نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر آخری کتاب یعنی قرآن اتارا گیا انہوں نے بھی اسلام اور مسلم ہونے کی دعوت دی اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ رہا کہ موجودہ دور کے مسلمان چاہے اسلام کو پورے طور پر نہ جانتے ہوں یا اسلام کے اصولوں پر عمل میں کمزور ہوں تب بھی کسی بھی آسمانی کتاب والے گروہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسلم دشمنی میں وہ قرآن کی بے ادبی کریں۔ ایسا کرنے سے ساری انسانیت کے دین اسلام کی بے حرمتی کا ارتکاب ہوگا۔

دنیا بھر کے مذہبی لوگوں سے میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اس حرکت کا اگر دنیا میں یہ چلن جاری ہوا یعنی کوئی کسی کی آسمانی کتاب کی بے حرمتی کر رہا ہے کوئی کسی کے عبادت خانے کو منہدم کر رہا ہے تو کیا مذہب کے نام پر دھبہ نہیں لگے گا؟

مسلمانوں سے میری درخواست ہے کہ وہ قرآن کے معنی کو دنیا میں عام کریں تاکہ قرآن دشمنی کا جو ماحول بن گیا ہے، کچھ ہماری غفلت کی وجہ سے اور کچھ دوسروں کی بے خبری اور زیادتی کی وجہ سے، اسے ختم کیا جا سکے۔

مجھے امید ہے کہ میری گذارشات کو اسی فریم کے اندر دیکھا جائے گا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اور کسی بھی آسمانی کتاب کی بے حرمتی کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔

امریکی عوام اور حکام سے میری اپیل ہے کہ اس معاملے میں بہت سخت نوٹس لیں اور ایسا طریقہ اختیار کریں کہ دنیا کے کسی بھی علاقے میں نہ صرف قرآن کے بارے میں بلکہ انجیل، تورات، زبور کسی بھی آسمانی کتاب کے بارے میں کوئی بھی ایسی حرکت نہ کر سکے۔

دعائے مغفرت

مدرسہ سید امیر علی شہیدؒ کے ایک طالب علم عبدالحکیم (ثانویہ خامسہ) تعطیلات گزار کر مدرسہ لوٹ رہے تھے کہ خلیل آباد کے مقام پر ریل حادثہ کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اس مرحوم طالب علم کی بھرپور مغفرت فرمائے اور ان کے والدین اور سارے اعزہ کو صبر جمیل بخشے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحبؒ کے انتقال پر

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کا ایک تعزیتی مکتوب

محب گرامی قدر محترم و معظم جناب الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب زیدت مکارمہ والطافہ
جانشین محترم حضرت محی السنہ مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب حقی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت مخدوم و مطاع محی السنہ والدین مولانا محمد ابرار الحق صاحب کی وفات کا واقعہ امت مسلمہ کے لئے بڑا خسارہ ہے اس کی خبر سے ہم سب بے حد ملول اور غمزدہ ہیں۔ حضرت والا کی کمی کو کس قدر محسوس کیا گیا اس کی علامت جوق در جوق جمع ہو جانے والے افراد سے ظاہر ہوئی جو تشیع جنازہ کے موقع پر اکٹھا ہوئے، مجھے بھی بڑا تقاضہ پیدا ہوا کہ اس موقع سے ضرور حاضر ہوں لیکن آنکھ کے آپریشن کی وجہ سے کسی نے تائید نہیں کی، کہ راستہ کی خرابی اور جم غفیر کی وجہ سے تازہ آپریشن میں نقصان پہونچ سکتا تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو شفقتیں اس ناچیز پر ہوتی رہی ہیں ان کا تقاضا تھا کہ میں سب سے پہلے حاضر ہونے والوں میں سے ہوتا لیکن مجبوراً اپنے اعزہ کی شرکت پر ہی اکتفا کرنی پڑی، میں انشاء اللہ جلد ایسے طریقے سے حاضری دوں گا کہ آنکھ کی صحت کو ضرر نہ پہونچے یہ عریضہ میں خود لکھنے کے بجائے لکھوا رہا ہوں کہ کم از کم تحریری عرض معروض کر دوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بزرگ شخصیتوں کی آخری یادگار رہ گئے تھے آپ میں جانے والے سب بزرگوں کی برکت جمع ہو گئی تھی استفادہ کے لئے ہر طرف سے لوگ پہونچتے تھے مجھے اور میرے رفقاء کو برابر اپنی تشنگی بجھانے کے لئے حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا، اور ملاقات و حصول دعا کی سعادت حاصل ہوتی تھی، اب ان کے نہ رہنے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے کس طرح اس کی تلافی ہو سکے گی یہ سمجھنا مشکل ہو رہا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کا جو اعتماد عطا فرمایا ہے اور آپ ان کے بہتر جانشین ہیں آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ اور سبھی متعلقین و اقرباء سے آپ کی وساطت سے بہت مخلصانہ اور قلبی تعزیت پیش ہے کئی سال قبل جب سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علالت شروع ہوئی تھی کئی بار خطرہ محسوس ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا برابر خاص فضل ہوتا رہا، یہ اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا نظام ہے حتی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا، ''انك میت وانھم میتون'' تو کسی دوسرے کے لئے کیا استثناء ہو سکتا ہے، آپ حضرات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو دعائیں اور توجہات حاصل ہوئی ہیں وہ اب ان کا ایک طور سے بدل ثابت ہوں گی، اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کی گزند سے محفوظ رکھے، افراد خانہ اور سبھی متعلقین کو میرا سلام اور خیر و عافیت اور دونوں جہان میں کامیابی کی تمنائیں پہونچا دیں۔

حضرت قاری امیر حسن صاحب (اطال اللہ بقاءہ) کی خدمت میں بھی سلام اور دعا کی درخواست پیش فرما دیں۔

والسلام
مخلص و شریک غم
(حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(بشکریہ جناب محمود حسن حسنی)

خانقاہ تھانوی کا آخری چراغ

ڈاکٹر رشید الوحیدی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

نہایت ہی افسوس اور تشویش کی بات ہے کہ یہ دنیا اچھے اور نیک لوگوں سے خالی ہوتی جارہی ہے اور جو چلا گیا اس کی جگہ خالی ہی رہ جاتی ہے ابھی چند دن گزرے امت کا بہت بڑا نقصان تب ہوا جب حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خلیفۂ خاص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وصال ہو گیا۔ ہندوستان کی سرزمین پر سے خانقاہ تھانویؒ کے فیوض وبرکات تقسیم کرنے والا سایہ اٹھ گیا یہ باب بند ہوگیا۔

خانقاہ تھانہ بھون سے روحانیت کی عظیم امانت لے کر اٹھے اپنے مرشد کے اشارے پر ہردوئی کو آباد کیا اور پھر نصف صدی سے زیادہ تعلیم و تربیت اور روحانیت کی ضیاء پاشیاں اس نئے علاقے سے ہوتی رہیں۔ گوشہ نشین رہ کر خاموشی سے یہ دولت لٹاتے رہے۔ عجیب انداز ہے ان اولیاء کرام کا، نام ونمود، جاہ وشہرت اور ناموری کی طلب اور اس کے لئے تگ ودو اس قسم کی تمام لایعنی باتوں سے بہت دور و بے نیاز، اپنے اللہ سے لو لگائے مخلوق خدا کی اصلاح وخدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ طبیعت میں انکسار و تواضع کا یہ عالم کہ سب کچھ یا بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی گویا کچھ نہیں ہیں۔ یہی شان حضرت شاہ صاحبؒ مرحوم کی دیکھی۔ قسمت سے ایک بار حاضری اور زیارت کا شرف نصیب ہو گیا۔ آج تک اس کا سرور دل ودماغ پر باقی ہے۔ چار پانچ سال قبل کی بات ہے اپنے ایک واقف کار فاضل دیوبند کے ساتھ کسی تعلیمی کام سے دہلی سے لکھنؤ کا سفر کیا، چار باغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ مسافر خانے میں قیام ہوا، کام ایک دو دن میں ختم ہو گیا۔ ایک دن فاضل بچ گیا۔ اگلے دن دہلی واپسی تھی۔ ہم دونوں میں طے ہوا کہ یہ فاضل دن ہردوئی چل کر شاہ صاحب کی زیارت کی جائے، نیت بخیر تھی، اللہ نے مدد کی مسافر خانے سے باہر نکلے۔ سامنے بس رکی ہوئی تھی۔ کنڈکٹر چلا رہا تھا۔ ہردوئی، ہردوئی!! ہم جھٹ جا بیٹھے بس چل دی سکون ہوا، اچانک جانے کیا سوجھی میں نے ساتھی سے کہا میاں! ایک کام کریں آپ اپنا فاضل دیوبند اور میرا خانقاہ مدنی کے خادم کی حیثیت سے تعارف نہ کرا کر ایک اجنبی کی حیثیت سے شاہ صاحبؒ سے ملیں، ایسا کیوں کہا؟ اللہ معاف فرمائے شاید کہیں تحت الشعور میں یہ خیال تھا کہ دیکھیں حضرت کا اجنبیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، دیوبند اور حضرت مدنیؒ کی نسبت سے تو ہر جگہ دو گھونٹ پانی اور ٹکڑے کو لوگ پوچھ لیتے ہیں۔ بہر حال بات طے ہوگئی۔

ہم وہاں پہونچے تو ظہر کی نماز تیار تھی گرمی کا زمانہ تھا ظہر "ابردو ابا الظہر" کی حدیث کے مطابق کچھ دیر سے ہو رہی، ہم مسجد میں جا بیٹھے سنت پڑھ کر حضرت کا انتظار کرتے رہے، کبھی زیارت تو ہوئی نہ تھی ذہن میں طرح طرح کا نقشہ ابھرتا رہا، جس میں تقدس اور نورانی چہرہ بہر حال نمایاں تھا، انتظار ہی میں جماعت کھڑی ہوگئی۔ عین وقت پر تشریف لائے اور شریک ہو گئے ہوں گے، سلام کے بعد پیچھے سے آواز آئی "میاں! سجدے میں انگلیاں پھیلا کر نہیں، ملا کر رکھو" اپنے مدرسے کے کسی نئے طالب علم سے مخاطب تھے میں نے قیاس یہی کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ہیں ان کے سامنے اور کسی کی ہمت کچھ بولنے کی کہاں تھی۔ نماز بعد ہم دونوں نے شفقت سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ پھر سوال ہوا کہ کہاں سے آئے، طے شدہ بات کے مطابق عرض کیا کہ لکھنؤ سے زیارت کو آئے ہیں۔ ہم دونوں کو دائیں بائیں لے کر قیام گاہ کی طرف چل پڑے، معمول کے مطابق اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے مدرسے کے طلبہ، اساتذہ، باہر کے مہمان، شہر کے معتقدین سب حاضر تھے مگر نہایت شفقت سے حضرت ہم دونوں نو واردان سے مخاطب تھے اور اکرام ضیف کا پورا حق ادا کر رہے تھے، اکابر و اسلاف کی شان یہی رہی ہے اجنبی ہو یا اپنا وقریب، خاص و عام غرض مہمان تو مہمان ہے اور اکرام کا مستحق ہے۔ چند منٹ بعد اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ان صاحب کے ساتھ کمرے میں جا کر کھانا کھالیں"۔

کھانے کا وقت دیر ہوئی گزر چکا تھا، اس کے باوجود یہ نہیں کہ "کھانا تو نہیں کھایا؟" یا "کھانا لگوایا جائے؟" کچھ نہیں خادم کو اشارہ کیا، کھانا آ گیا، حکم ہو گیا، وقت کم تھا ہمیں ٹرین سے لکھنؤ واپس آنا تھا، بار بار دعا دیتے رہے ہماری حاضری پر ممنونیت کا اظہار فرماتے رہے حالانکہ غرض ہمیں تھی اچانک ایک صاحب بیس پچیس رسالوں و کتابچوں کا بنڈل لائے، اور ہمارے سپرد کر دیا، حضرت نے فرمایا "یہ آپ دونوں کی نذر ہے" اللہ اکبر! آج کل تو لوگ خدام اور نیاز مندوں سے نذر کے منتظر رہتے ہیں، یہ کیسے بزرگ ہیں جو تمام خاطر مدارات کے بعد نذر بھی خود ہی پیش کر رہے ہیں، جی ہاں! یہ ان نام نہاد صوفیا میں سے نہیں ہیں یہ اپنے بزرگوں کے سچے جانشین ہیں اور ان کے بزرگوں کا تصور

قرآن وحدیث اور اخلاق محمدی ﷺ سے ماخوذ و مستفاد ہے، یہ امداد اللہؒ، محمد قاسمؒ، رشید احمدؒ، اشرف علیؒ اور حسین احمدؒ کے فیض یافتہ ہیں دار العلوم ان کی تربیت گاہ ہے، ہماری روانگی کا وقت ہو چکا تھا، وقت تنگ تھا، حضرت نے بھی محسوس کر لیا اپنے ایک مقامی واقف کار کو اشارہ فرمایا وہ اپنی گاڑی لے کر آ گئے اور ہم مصافحہ کر کے دعا لیتے ہوئے واپس ہو گئے۔ یہ دار العلوم یا حضرت مدنیؒ کی نسبت سے نہیں، دو اجنبیوں کے ساتھ معاملہ تھا، سادہ لباس، تھانوی گول ٹوپی، درمیانہ قد، درمیانہ جسم، بھری داڑھی، پروقار نورانی سنجیدہ چہرہ، اول وہلے میں بولنے کی ہمت نہ ہو مگر خود حضرت بولیں تو شیریں بیانی سے بات کرنے والا بے تکلف ہو جائے گا، لہجہ ہمدردانہ گفتگو میں کوئی نہ کوئی نصیحت یا اپنے بڑوں کا کوئی واقعہ یہ مبارک ذات دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے، رخصت ہوتے ہوئے عرض کیا: حضرت دہلی کا پروگرام بنے تو خادم کو فون کروادیں جہاں بھی ہوں گے خادم حاضر ہو کر دست بوسی کر لے گا، فرمایا "ضرور ضرور ذاکر نگر میں تو میری ایک عزیزہ بھی رہتی ہے"۔

مختصر سی فرصت میں شاہ صاحبؒ کے حکم سے ایک استاذ نے مدرسے کی سیر بھی کرادی، ایک ایک درس گاہ، بچوں کی قیام گاہ، مطبخ سب کچھ دیکھا، حسن انتظام، صفائی سلیقہ، ظاہری ومعنوی خوبی، ہر جگہ نظر آئی، شاہ صاحبؒ آخر کار حضرت تھانویؒ کے تربیت یافتہ تھے! خانقاہ تھانوی کے اصول وقواعد، ضبط ونظم کی جھلک ہر جگہ ظاہر تھی، ابھی حال ہی میں شاہ صاحب کے ایک عزیز ساتھی اپنے وقت کے عالم ولی مرشد مولانا صدیق احمد باندویؒ کا وصال ہو چکا تھا، حضرت پر اس کا خاصہ اثر تھا، دیر تک ان کے مناقب بیان فرماتے رہے، حضرت تھانویؒ کے نصائح، حکمتیں سنا کر تو جیسے شاہ صاحبؒ کو روحانی غذا اور تقویت مل رہی تھی ہم لاکھ اجنبی سہی، حضرت کی ظاہری خاطر ومدارات کے ساتھ ساتھ لگتا تھا کہ روحانی نسبت سے بھی کام لے رہے ہیں۔ احساس یوں ہوا کہ اس تمام عرصے میں دنیا ومافیہا سے ذہن ہٹ کر صرف اور صرف اللہ ورسول ﷺ کی یاد اس میں محو ہے اور کے تصور میں لطف آ رہا ہے حالانکہ ع

نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

خانقاہ سے باہر آتے ہی پھر وہی ہم، وہی دنیا کی جھنجھٹ وہ جو سنا ہے "ولی کامل وہ ہے جس کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے"، ہردوئی کے اس قلندر کی بارگاہ میں خوب خوب مشاہدہ ہوا اللہ پاک حضرت کی قبر کو منور فرمائے۔ (وہ تو ہے ہی) اللہ پاک ہماری اصلاح فرمادے اور معصیت سے محفوظ رکھے آمین۔

☆☆☆

دعائے مغفرت

جناب فخر الدین صاحب عرف منا بھائی جو جماعت تبلیغ اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں، کے والد صاحب اور چچا زاد بھائی کا ایک ہی دن (۱۸ر جون ۲۰۰۵) کو لکھنؤ میں انتقال ہو گیا نماز جنازہ ایک ساتھ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا محمود حسن حسنی ندوی نے پڑھائی۔

☆ جناب صبیح الدین خادم مکلتہ الشریعہ کی والدہ ماجدہ ۸۵ برس کی عمر میں ۵ر جمادی الاول مطابق ۱۳ر جون ۲۰۰۵ کو اپنے وطن مالوف علی آباد گل چپہ کلاں میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ادارہ مرحومین اور مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا گو ہے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کئے جانے کے لئے بدست دعا ہے قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)
کے زیر اہتمام
جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد
اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم
پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی
کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز
☐ برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول
گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا
☐ برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)
☐ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔
☐ غریب اور نادار ومفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔
منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)
فون: 0091-755-2543466, 2642715

اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب
مدیر البدر کاکوری

مئی ۲۰۰۵ء کی ۱۷ تاریخ اور رات تقریباً ۱۰ بجے کا وقت تھا کہ اچانک برادر عزیز مولوی عبدالولی فاروقی سلمہ، نے یہ دلخراش خبر دی کہ ابھی علم ہوا ہے کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کی وفات ہوگئی، زبان پر بے ساختہ کلمہ ترجیع آیا اور دماغ پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔

دل نے سرگوشی کی کہ سال ڈیڑھ سال پہلے کی طرح یہ خبر غلط بھی تو ہوسکتی ہے؟ کافی تگ و دو کے بعد ہردوئی سے رابطہ قائم ہوسکا اور فون پر مفتی منصال الرحمن صاحب نے خبر کی تصدیق کر ہی دی کہ ع جانے والا گیا، داستاں رہ گئی

کیوں کر باور کراؤں کہ بزم تھانویؒ کی اس آخری شمع کے گل ہوجانے کی یہ خبر میرے لئے غیر متوقع تھی قانون فطرت، دین وایمان، حضرتؒ کی عمر طبعی، اور پھر اس طویل علالت کا سلسلہ جس کا مقابلہ صرف "قوت ارادی" یا "قوت روحانی" سے ہورہا تھا۔ یہ ساری چیزیں خبر وفات کو "غیر متوقع" گردانے کے حق میں کہاں تھیں؟ مگر ہائے رے انسان کی غفلت شعاری، شیوۂ ناقدری، اور زندگی جیسی بودی اور کمزور چیز پر اندھے اعتماد کا عالم کہ موت وحیات کے بیچ کے صرف ایک سانس کے فاصلہ کو طویل سے طویل تر بنادینے کا آرزومند ہوتا ہے؟ اپنوں کی چاہت کا یہ انداز بھی کیسا عبرت ناک ہے کہ موت جیسی کڑوی اور اٹل حقیقت بھی نظروں سے اوجھل رہتی ہے، اور روح کے بجائے جسم سے، اعمال کے بجائے اعضاء وجوارح سے، اور محبوب کی پسند کے بجائے اس سے وابستہ اپنی پسند ہی کو مدار محبت اور کمال سعادت سمجھتا رہتا ہے۔ فیا حسرتا علی العباد۔

آنکھوں میں "بے تعبیر خواب" سجانے کا انجام تو یہی ہونا فطری ہے کہ جب آنکھ کھلی تو سب کچھ "غیر متوقع" نظر آئے، لیکن اسے کیا کیجئے کہ راقم الحروف جیسے ظلوم وجہول کا تو ذکر ہی کیا، عمر بن الخطابؓ جیسے دانا و بینا فرزانے کو بھی "دیوانگی محبت" کے ہاتھوں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات "غیر متوقع" ہی لگی تھی!

ان سب کے باوجود حقیقت بہر حال یہی ہے کہ وہ ایک منارۂ نور، وہ مرکز رشد وہدایت، وہ پیکر اخلاص ومروت، وہ آئینہ کمالات نبوت، وہ وارفتہ عشق رسولؐ، وہ شیدائے اصحابؓ رسول ﷺ، وہ اتباع سنت کا پیکر جمیل، وہ حسنات اسلاف کا آخری جامع، وہ مرشد تھانویؒ کا آخری منظور نظر، اور وہ احسان وتصوف کے قلمرو کا متفقہ تاجدار..... یعنی محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہوکر اپنے انعام واکرام عطا کرنے والے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔

یا أیتها النفس المطمئنة. ارجعی إلی ربك راضیة مرضیة.

حضرتؒ کا تعلق ایک خوش حال اور عصری تعلیم یافتہ لیکن دین پسند گھرانے سے تھا، ان کے والد ماجد محمود الحق صاحب اپنے وقت کے ایک نامور وکیل تھے۔ ان کی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ انوارالحق حقی صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سکدوش اور وظیفہ یافتہ پروفیسر ہیں، دوسرے چھوٹے بھائی پاکستان میں کسی اعلیٰ منصب کے وظیفہ یافتہ ہیں، ایک صاحبزادی مراد آباد کے ایک گرلز کالج میں پرنسپل ہوکر وظیفہ یافتہ ہیں۔ سب بھائی بہنوں میں تنہا حضرت مولاناؒ ہی تھے جن کا انتخاب انہوں نے اپنے مرشد حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کے ایماء پر دینی تعلیم کے لئے کیا تھا، اور اس میں کیا شک ہے کہ اخلاص نیت کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کے اس فرزند کو اس طرح قبول فرمایا کہ نہ صرف وہ ایک عالم باعمل بنا، بلکہ اس کی قرآن وسنت سے پختہ وابستگی نے اسے روز اول ہی سے یہ امتیاز عطا کیا کہ ایک مرتبہ مرشد تھانویؒ نے وکیل صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا ایک بیٹا عصری تعلیم حاصل کررہا ہے اور دوسرا دینی تعلیم، آپ نے دونوں میں کیا فرق محسوس کیا؟

وکیل صاحب نے نہایت ہی بلیغ جواب دیا کہ میں جب اپنے جوتے کے لئے پکار کر کہتا ہوں تو عصری تعلیم حاصل کرنے والا بیٹا میرے جوتے نوکر کے ذریعہ بھجوادیتا ہے اور یہ دینی تعلیم حاصل کرنے والا نوکر سے نہیں بھجواتا ہے بلکہ خود لے کر آتا ہے۔

اللہ اللہ! کسی صالح وخداشناس باپ کا اپنے بیٹے کی سعادت مندی ولیاقت پر یہ اعتماد، اور اپنے انتخاب پر اس درجہ اطمینان، کیا کسی بیٹے کے لئے معمولی سرمایہ ہے؟ اور پھر اس "سرمایہ" میں اضافہ و ترقی تو ایسی ہوئی کہ "اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند" کی بات یوں صادق آکر رہی کہ اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود باپ تو مرشد تھانویؒ سے مجاز بیعت ہونے کے حق دار نہ بن سکے لیکن بیٹا صرف ۲۲ برس

کی عمر میں اس مقام پر پہنچ گیا کہ حضرت تھانویؒ جیسے بااصول اور متبع سنت مرشد نے اسے اجازت بیعت و ارشاد عطا فرمادی۔ ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء۔

یوں تو ہمارے تمام اکابر وبزرگان دین کے یہاں بزرگی وبڑائی کا اصل پیمانہ "اتباع سنت" ہی رہا، اور معیار یہی رہا کہ جس کی زندگی اور اس کے معمولات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرامؓ سے جتنے زیادہ قریب ہوئے اسے اسی درجہ میں بزرگی وولایت کا حق دار گردانا گیا..... تاہم محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے یہاں یہ رنگ کچھ زیادہ ہی گہرا، نکھرا، اور نمایاں رہا جینے کی مختلف راہوں میں سے نبی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے ان کے حرص واصرار نے انہیں اپنے معاصرین بلکہ اپنے اکابر کے درمیان بھی محبت آمیز احترام اور عقیدت آمیز اعتماد عطا کردیا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا مسافرت کا گھر ہے ہم سب مسافر ہیں اور ہمارے سفر کی آخری منزل آخرت ہے..... دنیا کے ہر مسافر کو اپنے سفر میں تین چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ سفر راحت وآرام سے ہو۔ (۲) یہ کہ سفر عزت کے ساتھ ہو (۳) یہ کہ سفر عجلت کے ساتھ ہو، ان ہی تینوں چیزوں کے حصول کے لئے ہر مسافر اپنی حقیقت کے مطابق اے سی کلاس سے لے کر سلیپر کلاس تک ریزرویشن کراتا ہے تاکہ سفر راحت کے ساتھ ہو، ٹکٹ خریدتا ہے اور ریلوے کے دوسرے تمام قوانین کی پابندی کرتا ہے تاکہ سفر عزت کے ساتھ طے ہو اور دوران سفر کسی قسم کی بے عزتی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور پھر منزل تک پہنچنے کے لئے تیز رفتار گاڑیوں کا انتخاب کرتا ہے تاکہ سفر عجلت کے ساتھ ہو اور جلد سے جلد منزل تک پہنچ سکے..... دنیا سے آخرت کی طرف سفر میں یہی تین چیزیں مطلوب ہیں کہ یہ سفر بھی راحت کے ساتھ ہو، عزت کے ساتھ ہو، اور عجلت کے ساتھ ہو، اور اس شان کے ساتھ سفر طے ہونے کا واحد ذریعہ "اتباع سنت" ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دنیا سے آخرت کی طرف سفر کو جس طرح طے کرکے دکھادیا ہے اسی پر گامزن ہوجانے میں راحت بھی ہے، عزت بھی ہے، اور عجلت بھی..... اور اسی چیز کا نام "اتباع سنت" ہے۔

ترویج واشاعت سنت کے علاوہ حضرتؒ کی دوسری محنت "صحت قرآن مجید" کے سلسلہ میں تھی جس کے لئے انہوں نے اپنے مدرسہ اشرف المدارس کے علاوہ ملک وبیرون ملک میں بہت سے مکاتب قائم فرمائے تھے جہاں بچوں کو ابتدا ہی سے قواعد تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ حروف والفاظ کی شناخت کرائی جاتی ہے، ان درس گاہوں میں حفظ وناظرہ کی تعلیم حاصل کرنے والے بچے "قاری" کے سند حاصل کئے بغیر ہی قرآن کو اس کے اصل لب ولہجہ میں اور مخارج وقواعد کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھنے پر قابل رشک حد تک قابو یافتہ ہوتے ہیں۔

حضرتؒ کو عام ارباب مدارس سے بجا طور پر اس کا شکوہ بھی ہوتا اور وقتاً فوقتاً اس کی فہمائش بھی کرتے رہتے کہ ہمارے عام دینی مدارس میں قرآن مجید کو نہ اس کے شایان شان مقام حاصل ہوتا ہے نہ اس پر وہ محنت ہوتی ہے جو ہونا ضروری ہے..... جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے حافظ بلکہ علمائے کرام بھی قرآن مجید کو مجہول پڑھتے ہیں، وقف اور وصل میں غلطیاں کرتے ہیں، حروف کو ان کے مخارج کے خلاف ادا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بسا اوقات تو "لحن جلی" بھی کرگزرتے ہیں، اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوپاتا کہ کیا پڑھنا چاہئے تھا اور کیا پڑھ دیا؟

القرآن یعنی کتاب اللہ کو ساری کتابوں میں سب سے افضل وبرتر قرار دیتے ہوئے اس کی درسگاہ، اس کے طلبہ، اور اس کے اساتذہ کو وہ سب سے زیادہ اکرام ومراعات کا حقدار قرار دیتے تھے کہ ان سب کا رشتہ براہ راست قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ وہ قرآن کے جزدان اور رکھنے کی رحل کے سلسلہ میں انتہائی حساس تھے اور ادنیٰ بے توقیری اور بے لحاظی پر سخت گرفت کرتے تھے۔

وہ ایک جید الاستعداد اور صاحب نظر عالم تھے، قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ اقوال فقہاء پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان سب کے باوجود ان کی یادگار کتابوں میں ضخیم علمی وفنی کتابوں کے بجائے سب سے اہم کتاب "ایک منٹ کا مدرسہ" ہے جس کا تعلق ایک عام مسلمان سے لے کر جلیل القدر علماء تک سے ہے اور جس کے ذریعے انہوں نے روزانہ صرف ایک منٹ صرف کرکے ایک مسلمان کو سچا اچھا اور پابند سنت مسلمان بنانے کا انتہائی سادہ اور عام فہم نصاب پیش کیا ہے۔ اور جس کی برکت سے نہ جانے کتنے روایتی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ہر اہم اور لائق ذکر آدمی کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات سے ایک "خلا" پیدا ہوگیا..... لیکن حضرتؒ ہردوئی کے ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد احسان وتصوف، اصلاح وموعظت، اخلاص ومروت، نظم واکرام، اور ادب ورعایت مراتب کے میدانوں میں اسلامی تعلیمات کے "عملی نمونہ" کے طور پر جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کی کسک دور تک اور دیر

تک محسوس کی جاتی رہے گی۔..... اور بس یہی ہے ان کی عمر بھر کی کمائی جس کا بہترین صلہ انشاء اللہ ان کو اپنے اس رب سے ملے گا جس کے دین کی سربلندی کے لئے وہ ساری زندگی کوشاں وسرگرداں رہے۔ فرحمة الله عليه ورحمة واسعة.

ذکر اس انعام خداوندی کا کر دینا بھی مناسب ہے کہ اپنی تمام تر بے صلاحیتوں اور عملی کوتاہیوں کے باوجود محض باپ دادا کی نسبت اور علماء وصلحاء کے خاندان میں پیدا ہوجانے کی سعادت کی وجہ سے اپنے وقت کے بہت سے اکابر، صلحاء اور علماء سے مخاطب ہونے، جوتیاں سیدھی کرنے، اور دعائیں پانے کے اس ناکارہ راقم الحروف کو خوب خوب مواقع ملے..... یہ الگ بات ہے کہ پیاسا کنویں کے قریب ہوکر بھی اپنی کوتاہی عمل کی بنا پر پیاسا کا پیاسا ہی رہ گیا۔

شعور کی آنکھ کھلتے ہی حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کی حکمرانی دل پر پائی۔ ان کی ہیبت وجلالت کا سکہ ان کی آخری سانس تک چلتا رہا ..... وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ تند خو اور کھرے ہوں، یا بات بے بات جھڑک دینے کا انداز ہو! نہیں نہیں! وہ تو قطرۂ شبنم کی طرح نرم، کھلتی کلی کی طرح خوبرو، اور ایک مالی کی طرح اپنے گلشن کے گلوں ہی کے نہیں خاروں کے بھی قدرداں وگلبہاں تھے۔ ان کی ایک لطیف مسکراہٹ دور دراز سے آنے والے مسافروں کی تھکاوٹ دور کردیتی تھی، پھر ان کا پروقار استقبال، تبسم آمیز استفسار، اور ضیافت ومہمان نوازی کا والہانہ انداز، غرض کہ کیفیت کچھ یوں تھی کہ ع

گرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ہاں سامنا کرنے سے جھجک، اور دل پر ہیبت اس بات کی ضرور ہوا کرتی ہے کہ میرے بے اصول سراپا اور میری بے ربط گفتگو سے کہیں اس ''آبگینے'' کو ٹھیس نہ لگ جائے اور میں فرحت و انبساط کے بجائے اذیت وانقباض کا ذریعہ نہ بن جاؤں..... اس کے باوجود وہ جو بزرگوں کے یہاں ''نسبت'' کے نام سے ایک ''مراعاتی کالم'' ہوا کرتا ہے اس کا فائدہ راقم الحروف کو خوب خوب ملا۔ ملاقات نہیں ملاقاتیں اتنی مرتبہ ہوئیں کہ تعداد یاد نہیں، خصوصی نیافتوں کے مزے بھی لوٹے، یادگار لمحے میسر آئے، الطاف وعنایات کی بارشوں سے شرابور ہونے کی سعادت بھی ملی، ان کی خردنوازی کے صدقے ان کے حلقوں میں کئی مرتبہ ''خصوصی مقرر'' بن کر دینی مجلسوں سے خطاب کرنے کے مواقع بھی ملے۔ اور میری ایک ادنیٰ بلکہ صحیح معنوں میں ''گستاخانہ'' درخواست پر پہلے سے طے شدہ پروگرام میں بروقت ترمیم کرکے ہردوئی سے لکھنؤ جاتے ہوئے دارالعلوم فاروقیہ کاکوری میں قدم رنجہ فرما کر اپنے نصیحت آمیز خطاب اور دعاؤں سے بھی نوازا..... اللہ اللہ! ع

یہ عنایتیں یہ نوازشیں، مری ایک خستہ سی جان پر

اور پھر ابھی پانچ ہفتہ قبل ہی کی اس آخری زیارت وملاقات کو کیوں کر فراموش کرسکتا ہوں جو ۱۴/۱۵ر اپریل ۲۰۰۵ء کو اس حال میں ہوئی تھی کہ شدید ضعف ونقاہت کے باعث حضرت والا تین دن سے اپنے رہائشی کمرہ سے نکل کر مدرسہ نہیں آسکے تھے۔ اور جناب مولانا افضال الرحمٰن صاحب جیسے قریبی بلکہ ''منہ لگے'' بھی مجھے فون پر پیشگی اس بات کی یقین دہانی نہیں کرا سکے تھے کہ زیارت و ملاقات ہوہی جائے گی۔

سفر بلگرام ضلع ہردوئی کے ایک دینی جلسہ میں شرکت کے لئے تھا، اور میں نے اپنے مشفق بھائی مولانا افضال صاحب سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم لوگ نماز عصر مدرسہ اشرف المدارس کی مسجد میں ادا کریں گے۔ آپ اس کی اطلاع کردیں اگر اجازت مل گئی تو زیارت ومصافحہ ہوجائے گا۔ ورنہ میری قسمت!

نماز عصر سے ۱۵۔۲۰ منٹ قبل مدرسہ میں قدم رکھتے ہی مولانا افضال الرحمٰن کو منتظر پایا، اور انہوں نے کہا بس جلدی کرکے ابھی نماز سے قبل ہی آپ حضرات ملاقات کرلیجئے، حضرت آپ لوگوں کے منتظر ہیں۔ اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے میں نے اور میرے ساتھیوں مولانا حسین احمد صاحب، حافظ محمد ہاشم صاحب اور محمد حنیف صاحب (ڈرائیور) نے حاضری دی اور حضرت والا نے حسب سابق نہایت ہی کشادہ روئی کے ساتھ ملاقات ہی نہیں کی، بلکہ میرا نظام سفر دریافت فرمانے کے بعد فرمایا کہ نماز کے بعد میری طرف سے چائے پی لیں۔ اس کے بعد پھر ایک ملاقات ہو جائے گی۔ دوبارہ حاضری پر حضرت والا نے چائے کے سلسلہ میں دریافت فرمایا اور خاص طور پر ڈرائیور صاحب کے بارے میں پوچھا اور ان سے پھر مصافحہ فرمایا، پھر بلگرام سے لکھنؤ واپسی کا نظام دریافت فرمایا اور میرے اس جواب پر کہ صبح فجر بعد واپسی ہوگی، اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اگر کوئی زحمت نہ ہو اور کسی نظام میں خلل نہ ہو تو صبح کا ناشتہ یہیں کرلیں..... اندھا کیا چاہے؟ چنانچہ ہم لوگ نماز فجر کے بعد ایک پیالی چائے پی کر بلگرام سے روانہ ہوکر ہردوئی پہنچ گئے۔ یہ ۱۵/اپریل کی صبح تھی اور جمعہ کا دن، حضرت والا کئی دن کے بعد آج اپنی مخصوص کرسی (وہیل چیئر) پر بیٹھ کر مدرسہ کے ایک ایک چپہ کا معائنہ فرمارہے تھے اور مختلف ہدایات دے رہے تھے، مجھے مدرسہ میں داخل ہوتے ہی جہاں یہ خوشخبری ملی کہ آج حضرت والا کی طبیعت بشاش ہے اور مدرسہ آکر حسب معمول معائنہ فرما

رہے ہیں وہیں یہ جان کر ایک نامعلوم قسم کی بے چینی اور گھبراہٹ بھی ہوئی کہ اس دوران نظام میں کچھ بے ترتیبیوں کی وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہوئی ہے اور متعلقہ ذمہ داروں سے باز پرس فرمارہے ہیں، اور آج کل کے چلے ہوئے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ ''موڈ آف ہے'' ابھی میں ''اپنی خیریت'' کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت والا کی مخصوص کرسی آگئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کب غصہ آیا تھا اور کس پر اترا تھا؟ میں نے تو اسی منور منور، اجلے اجلے چہرہ کی زیارت کی اور حضرت والا نے مسکراتے لبوں اور بولتی آنکھوں سے ہم ''بے استحقاقوں'' کا استقبال کرتے ہوئے مصافحہ کی سعادت بخشی، پھر بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی نگرانی میں ہمیں ناشتہ کرایا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد حضرت والا نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈال کر فرمایا کہ ابھی اتنی گنجائش ہے کہ آدھ گھنٹہ کے بعد بھی روانہ ہوکر آپ لوگ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۱/بجے تک لکھنؤ پہونچ جائیں گے، اگر بار نہ ہو اور طبیعت میں انشراح ہو تو چند منٹ مسجد میں کچھ بیان کردیجئے۔ طلبہ واساتذہ کے علاوہ کچھ بیرونی مہمان اور جوار کی شاخوں سے آئے ہوئے اساتذہ وعلماء بھی ہیں۔ تعمیل حکم کو اپنی سعادت سمجھتے ہوئے میں نے بلا تاخیر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ کیونکہ ایسی سعادت پہلے بھی میسر آچکی تھی.....

چند منٹ کے بعد میں مسجد پہنچ گیا اور مجھے کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا دیکھا کہ حضرت والا کی مخصوص کرسی آئی اور میری کرسی کے ٹھیک سیدھ میں کچھ فاصلہ پر روک دی گئی..... مجھے کیا معلوم تھا کہ حضرت والا کے روبرو اور ان کی سماعت میں لاتے ہوئے مجھے اس طرح ''خطیب'' بن کر کچھ کہنا پڑے گا؟ کیوں کر بیان کروں کہ فوری طور پر میری کیا کیفیت ہوئی؟ کرسی سے کیوں کر اتروں؟ اور اپنی بے بضاعتی کا حوالہ دے کر حضرت سے واپس چلے جانے کی درخواست کرنے کی ہمت کہاں سے لاؤں؟ کچھ بھی نہ کرسکا اور بات اس حوالہ سے شروع کردی کہ یہاں سب طالب بن کر آتے ہیں اور مجھے اچھی طرح اس کا احساس ہے کہ ان طالبین میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے سامنے مجھ جیسے تہی مایہ کو جرأت بیان نہ ہونا چاہئے..... مگر کیا کروں ؟حکم حضرت والا کا ہے اور یہاں ان کے تشریف فرما ہونے سے یقین ہے کہ توجہ بھی فرمارہے ہوں گے، اس لئے اپنی نہیں بلکہ حضرت والا کی زبان سے مختلف مواقع پر سنی ہوئی کچھ باتیں آپ کے سامنے دہرانے کی جرأت کررہا ہوں، نقل وتعبیر میں جو قصور ہو وہ میری زبان وفہم کے قصور کا نتیجہ ہوگا۔

۲۰۔۲۵ منٹ بیان ہوا اور میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ ابتدا میں قائم ہونے والی ہیبت، اور سانسوں کی بے ترتیبی کی کیفیت بہت جلد ختم ہوگئی اور میں نے جو کچھ کہا شرح صدر کے ساتھ کہا اور درمیان تقریر وقفہ وقفہ سے حضرت والا کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ میرے لئے آکسیجن کا کام کرتی رہی۔ تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت والا کے چہرہ کی بشاشت، لبوں کی مسکراہٹ، تحسینی کلمات، اور دعاؤں نے مجھے یقین دلایا کہ ''کچھ کام کی بات'' ہوگئی۔ مزاج شناس دوستوں نے بھی نقد مبارکبادی کہ حضرت والا بہت مسرور ومحظوظ ہوئے ہیں۔ پھر یہ بھی علم ہوا کہ اس بیان کے کیسٹ کو بعد میں خود حضرت والا نے سنا بھی اور اہتمام کے ساتھ سنوایا بھی۔ کچھ دیر بعد حضرت والا نے تو مجھے مصافحہ و معانقہ فرما کر رخصت کردیا لیکن خدا گواہ کہ اس کے بعد کئی دنوں تک میں ایک کیف وسرور کے عالم میں رہا، اپنی اس خوش بختی کا ذکر اپنے دوستوں اور گھر والوں سے بھی کیا..... اور نہ جانے کیوں یہ یقین آج بھی قائم ہے کہ میری عاقبت سنورنے کا کچھ انتظام ہوہی گیا..... اس یقین کا آغاز تو اسی مجلس بیان سے ہوگیا تھا، پھر اسے تقویت اس سے ملی کہ حضرتؒ کے ایماء سے برادرم مولانا افضال الرحمٰن صاحب نے حضرتؒ کے متعلقین ومتعینین کے زیر اہتمام ۲/جون ۲۰۰۵ء کو شہر ہردوئی میں منعقد ہونے والے ایک دینی جلسہ میں شرکت وبیان کا وعدہ لیا، اور خود حضرت والاؒ نے بھی ''بہ شرط قیام واجازت معالج'' اس جلسہ میں شرکت کا وعدہ فرمالیا تھا۔

میں مگن تھا کہ ایک مرتبہ پھر ہردوئی حاضری ہوگی، حضرت والاؒ کی زیارت ہوگی..... اور اس مرتبہ تو کچھ اور بھی ''خصوصی نگاہ'' ہوگی ممکن ہے کہ بیان کے لئے کسی مضمون کی بھی رہنمائی ہو.....

لیکن یہ کیا؟ ابھی تو ۲/جون کی تاریخ آئی بھی نہیں تھی کہ حضرت والاؒ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا لله وانا اليه راجعون.

سہانے خواب بکھر گئے اور ان کی جگہ خواہشوں، تمناؤں اور حسرتوں نے لے لی۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں، پھر بھی کم نکلے

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئے، یہی اس دنیا کا نظام بھی ہے كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام. ابھی زخم ہرے ہیں اس لئے احساس کی شدت ہے، اب کیا ہوگا؟ اب کون ایسا روحانی معالج ملے گا؟ اب کون ایسا ہے جسے دیکھ کر اور جس کی ایک ایک نقل وحرکت سے سنتوں کا علم ہوگا؟ اتباع سنت کی وہ لگن، اور نہی عن المنکرات کے لئے وہ تڑپ اب کہاں دیکھنے کو ملے

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

''مجالس ابرار'' کی ایک جھلک

محمود حسن حسنی

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات وصفات سے نوازا تھا ان میں ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے ان کے مناسب حال باتیں ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ اس کے لئے اسٹیج سجانے، جلسہ یا پروگرام رکھنے اور مجلس کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اسے کسی انتظار یا کسی موقع کا پابند نہیں ہونا پڑتا۔ حضرت والا سے ایک ہی ملاقات و زیارت اس کے مناسب واہم امور کی طرف متوجہ کردیتی تھی، حضرت والا کی یہ توجہ قولاً وحالاً دونوں اعتبار سے ہوتی تھی، مگر حضرت والا کا مزاج کچھ فرمانے کا ہوتا تھا اور ملنے والے کے کان کے حق کو اہمیت دیتے ہوئے اس کا پورا خیال فرماتے تھے، اور انسانی طبائع کی ان کمزوریوں کا بھی خیال کرتے تھے وہ اچھی سے اچھی مفید سے مفید باتوں پر سرعت کے ساتھ ساتھ اسی صورت میں ادراک کرپاتا ہے۔ جب مثالوں سے اس کی وضاحت کردی جائے، اس سلسلہ میں ان کو اپنے شیخ حکیم مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے خصوصی حصہ ملا تھا مزید برآں وقت کے بڑے شیخ اور مثالوں کے بادشاہ کہے جانے والے بزرگ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ کا ان پر اس سلسلہ کا عکس بھی پڑا تھا، حضرت محی السنہ ہردوئی رحمۃ اللہ کے ملفوظات اور مجالس کو قلم بند کرنے کا مختلف لوگوں نے اہتمام کیا، لیکن ان کے خلیفہ حضرت حکیم محمد اختر صاحب کراچوی کی مرتب کردہ مجالس ابرار کو جو قبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں یہاں ہم اسی سے چند اہم ارشادات کو نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

اصلاحی تعلق سے حضرت والا ہردوئی کی یہ بات بڑی بلیغ وفصیح تقریر اور ادیبانہ تحریر پر بھاری نظر آتی ہے جو انہوں نے ایک موقع پر کہی، فرمایا: کہ ''جب کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا، تو اس کی مثال اس موٹر کی ہے، جس پر ڈرائیور نہ ہو ایسی موٹر خود بھی تباہ ہوتی ہے اور اس پر بیٹھنے والوں کو بھی ہلاک کرتی ہے، دنیا میں جتنے گمراہ فتنے پیدا ہوئے ہیں، ان کا بانی جاہل نہیں ہوتا، پڑھا لکھا ہی ہوتا ہے، مگر اس کا کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا کچھ دن تو صحیح کام کرتا ہے، پھر جیسے موٹر بدون ڈرائیور سیدھی سڑک پر کچھ دیر صحیح چلے گی مگر جب موڑ یا چوراہا آئے گا تو ٹکر کھاجائے گی یا غلط راہ پر لگ جائے گی اسی طرح وہ شخص بھی دین کے کسی موڑ اور چوراہے پر ٹکر کھا کر خود بھی گمراہ ہوجاتا ہے۔ اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے، لہٰذا مؤذن اور امام اور مدرس کے لئے بوقت تقرر ہمارے یہاں یہ شرط ہے کہ اس کا تعلق اکابر میں سے کسی سے ضرور ہو۔ (ص ۲۱۸)

اپنی بات کو جس طرح مثال سے زینت بخشتے تھے اسی طرح اشعار سے اس میں قوت پیدا کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا:

۱۰۰ اور مبلغ کو معمولات اور خلوۃ مع الحق کا بھی بہت اہتمام چاہئے جیسا کہ ''فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب'' میں تصریح موجود ہے معمولات اور ذکر پر حضرت خواجہ صاحبؒ (یعنی خواجہ عزیزالحسن مجذوب صاحب) کا شعر ہے کہ:

دم رکا سمجھو تو دم بھر کو بھی یہ ساغر رکا
میرا دور زندگی ہے، یہ جو دور جام ہے

حضرت خواجہ صاحبؒ نے تعلق مع اللہ کے لطف کو یوں بیان فرمایا ہے۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے،
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے،

ذکر کے تعلق سے بڑی بلیغ بات یہ ارشاد فرمائی کہ:

''ذکر اللہ سے دلوں کو سکون عطا ہوتا ہے، ایک بہت بڑے تاجر ہمارے مدرسہ کے استاد قاری امیر حسن صاحب سے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مجاز بھی ہیں، سکون کی تدبیر پوچھنے آئے تھے، حالانکہ ان کی تنخواہ اس وقت صرف سو (۱۰۰) روپے ماہوار تھی لیکن دولت سے سکون کا کیا تعلق، البتہ ذکر کے خلاف سے بچنا بھی ضروری ہے یعنی معاصی سے احتیاط کے بغیر ذکر کا نفع کامل نہ ہوگا، جب ذکر کامل ہوگا، اطمینان کامل ہوگا، ذکر ناقص ہوگا، اطمینان بھی ناقص ہوگا، ذکر کامل سے مراد یہی ہے کہ اس کی ضد سے بچا جائے جیسے کامل گرمی جب حاصل ہوگی جب اس کی ضد سردی کے اسباب سے بھی بچا جائے کسی افسر میں تمام خوبیاں ہیں صرف رشوت میں پکڑا گیا تمام عمر کی کارگردگی پر پانی پھر گیا معطل کردیا گیا، ایک گناہ کا بھی عادی مجرم حق تعالیٰ کا ولی نہیں بن سکتا ''الذین آمنوا وکانوا یتقون۔'' اولیاء کی تعریف قرآن میں یہی بیان فرمائی گئی ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ہو (یتقون کو مضارع کے صیغہ سے بیان فرمایا جس کے اندر تجدد استمراری کی خاصیت ہوتی ہے مراد

(بقیہ صفحہ ۱۰ و ۱۲ پر)

روداد چمن

محمد ہارون اورنگ آبادی

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی آنکھ کا آپریشن گذشتہ دنوں پیش آیا تھا۔ الحمد للہ اس میں بہتری ہے۔ نیاز مندوں کے اصرار پر حضرت ناظم صاحب ۲/جون سے ۱۲/جون تک دہرہ دون میں تشریف فرما رہے۔ حضرت ناظم صاحب کے معالجین کا بھی یہی مشورہ تھا کہ لکھنؤ میں شدت کی گرمی کی وجہ سے وہ کسی ٹھنڈے مقام پر چند دن گزاریں۔ لیکن اکابر کا سفر ہمیشہ با مقصد ہوا کرتا ہے اور اللہ رب العزت اسے خیر وبرکت اور رشد وہدایت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ یہ سفر جناب رسال الدین حقانی کی اصرار پر پیش آیا۔ اور جناب انجینئر شمیم احمد صاحب انصاری کو حضرت ناظم صاحب اور ان کے رفقاء کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ ذیل میں اس سفر کے چند ایک اہم پروگرام کی تفصیل درج ہے۔

۱۔ شہر دہرہ دون میں ۵/جون کو ایک نشست ہوئی جس میں دارالقضاء کے قیام پر غور وخوض ہوا اور قاضی کا تقرر کیا گیا۔

۲۔ شریک سفر جناب مولانا واضح رشید ندوی صاحب نے منتخبات شمائل ترمذی میں سے اربعین احادیث مرتب کی۔

۳۔ حضرت ناظم صاحب کی حضرت مفکر اسلامؒ پر ایک تالیف ''حضرت مولانا علی میاں: ایک عہد ساز شخصیت'' کی تکمیل کا کام بھی اسی شہر میں مکمل ہونا مقدر تھا۔

۴۔ عصر بعد مجلس ہوا کرتی۔ جس میں خصائل نبوی ﷺ کی تعلیم ہوا کرتی۔

۵۔ علمائے کرام اور دانشوروں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۶۔ حضرت ناظم صاحب خانقاہ رحیمی رائے پور بھی تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب سے تعزیت فرمائی۔ اور رائے پور سے ہوتے ہوئے حضرت ناظم صاحب نے سنسار پور میں مقیم حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب (خلیفہ حضرت رائے پوریؒ) کی بھی عیادت فرمائی۔

۷۔ سہارنپور میں حضرت مولانا نے حضرت مولانا طلحہ صاحب مدظلہ العالی اور حضرت شیخ یونس صاحب دامت برکاتہم کی عیادت فرمائی جناب سید مطلوب صاحب منصور پوری کی دعوت پر منصور پور بھی تشریف لے گئے۔

۸۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دور کی یادگار حضرت سید مختار صاحب کی دعوت پر حسین آباد جانا ہوا۔ حسین آباد وہ مقام ہے جہاں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ''نقش حیات'' قلم بند فرمائی تھی۔ یہاں حضرت مولانا نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے رحم وکرم کو متوجہ کرنے والی باتوں کو اپنائیں۔

۹۔ جناب مفتی محمد فاروق صاحب کے جامعہ محمودیہ باپوڑ میرٹھ بھی تشریف لے گئے اور وہیں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

۱۰۔ سہارنپور سے منصور پور کے راستے میں حضرت ناظم صاحب نے مانک مئو کے معہد الرشید الاسلامیہ اور جامعہ فلاح دارین بلاسپور کو بھی اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا۔

۱۱۔ ۱۴/جون کو مولانا مسوری تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو اپنا داعیانہ کردار ادا کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے۔ مسوری میں کل پانچ مسجدیں ہیں ان میں سے ایک مسجد کرلی بازار میں واقع ہے جہاں کے امام کا نسبی تعلق حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ملتا ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں ۱۹۵۲ء میں حضرت رائے پوریؒ نے رمضان المبارک گزارا تھا۔ اور اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور جناب مولانا محمد واضح رشید ندوی نے بھی حاضری دی تھی۔

۱۲۔ ۱۰/جون ۲۰۰۵ء کو مولانا نے ادارہ شباب اسلامی میں جناب رسال الدین حقانی کی دعوت پر ایک اجتماع کو خطاب کیا۔ ان کے اس خطاب کا بنیادی موضوع تھا المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ ۱۵/جون کو الحمد للہ حضرت ناظم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لے آئے۔

مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعطیلات جاری ہیں، ایک سناٹے کا عالم طاری ہے، مگر الحمد للہ دارالعلوم کی مسجد میں اپنے خدا کے حضور اپنی جبین نیاز ٹیکنے والوں کی خاصی تعداد سے مسجد کی رونق قائم ہے۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء ڈاکٹر سعید الاعظمی ۱۴/جون کو بیرونی کے ایک دعوتی سفر پر اپنی شدید مصروفیات اور علالت کے باوجود تشریف لے گئے۔ ۱۶/جون کو موصوف الحمد للہ خیر وعافیت سے ندوہ تشریف لائے۔ جمعہ کے دن مولانائے محترم کے خطبے کو سننے کے لئے حسب معمول شہر کی ایک بڑی تعداد مسجد کی رونق کو دوبالا کردیتی ہے۔ حج ہاؤس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بھی شرکت فرمائی۔ جو اموی ہوائی اڈے کے قریب بنے جارہا ہے۔ اس اہم پروگرام میں وزیر اعلیٰ اتر پردیش جناب ملائم سنگھ یادو جی وزیر شہری ترقیات وپارلیمانی امور جناب محمد اعظم خاں صاحب، جناب احمد حسن صاحب اور دیگر معززین شہر کے علاوہ عوام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ حضرت محی السنہ پر حضرت مہتمم صاحب نے ماشاء اللہ ایک کتابچہ تحریر فرمایا جو جلد منظر عام پر آرہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار العلوم ندوۃ العلماء میں شفاخانہ (ہاسپٹل) کی تعمیر

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک بین الاقوامی تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے، جو اپنی تعلیم وتربیت اور علمی وثقافتی خدمات کی وجہ سے چار دانگ عالم میں مشہور و معروف ہے، یہاں کے فارغین اور فضلاء پورے عالم میں دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ دنیا کے مختلف خطوں سے شائقین علم اپنی علمی پیاس بجھانے اور دین وشریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اس کے کیمپس میں اساتذہ وطلبہ اور ملازمین و اسٹاف کی ایک بڑی تعداد رہتی ہے، جن کے دوا علاج اور صحت وتندرستی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اور انتظامیہ انہیں ہر طرح کے امراض اور مختلف بیماریوں سے بچانے کے لئے کوشاں رہتی ہے، اور بیمار پڑنے کی صورت میں دوا علاج کا معقول نظم کیا جاتا ہے۔

اس مقصد سے یہاں پہلے ہی سے ''دار الشفاء'' کے نام سے ایک ڈسپنسری قائم ہے، جہاں جز وقتی ہومیو پیتھ اور ایلو پیتھ ڈاکٹر حضرات باری باری سے تشریف لاتے ہیں اور بیماروں کا علاج کرتے ہیں، لیکن ضرورت تھی کہ ایک کل وقتی ہاسپٹل کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں ہر طرح کی جدید سہولیات سے آراستہ نرسنگ ہوم کے طرز کا شفاخانہ ہو، تاکہ رات اور دن کے کسی بھی حصہ میں جس کو بھی ضرورت پیش آئے تو باہر جانے کی نوبت نہ آئے اور اس کا معقول علاج کیمپس کے اندر ہی ہو جایا کرے، خاص طور سے احاطہ میں مقیم طلبہ واساتذہ اور اسٹاف ملازمین کو باہر کسی نرسنگ ہوم میں داخل ہونے میں جو دشواری پیش آتی ہے اس سے راحت ملے۔ اس طرح کے ایک ہاسپٹل کے قیام کی تجویز عرصہ سے ذمہ داران کے پیش نظر تھی، اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے اور ایک شفاخانے کے قیام کا فیصلہ کرلیا گیا۔

چنانچہ اس مقصد سے مورخہ ۲۹ رصفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۹ راپریل ۲۰۰۵ء بروز شنبہ شفاخانہ (ہاسپٹل) کا سنگ بنیاد ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، معتمد تعلیم مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، معتمد مال پروفیسر وصی احمد صدیقی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے ہاتھوں دفتر نظامت اور مسجد کے درمیان خالی پڑی آراضی پر رکھا گیا۔ یہ شفاخانہ دو منزلہ اور جدید طبی سہولیات سے مزین ہوگا، اس میں ایکسرے اور دیگر ضروری مشینیں بھی مہیا کرائی جائیں گی۔ اس کی تعمیر میں ایک سال کا وقت لگے گا۔

اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح اس نیک کام میں تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کا سامان کریں۔ اپنے کسی مرحوم عزیز کے ایصال ثواب کی نیت سے بھی اس کار ثواب میں شرکت کی جاسکتی ہے۔

محمد حمزہ حسنی ندوی
ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ

نوٹ: چک/ڈرافٹ بنام ناظم ندوۃ العلماء، ارسال کریں۔

''ایک منٹ کا مدرسہ'' : ایک تعارف

(محی السنہ پر ڈاکٹر سعید الاعظمی کے تازہ کتابچہ کا ایک ورق)

درج ذیل مضمون مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی کے اس کتابچہ کا ایک ورق ہے جو موصوف نے حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب حقی پر قلم بند فرمایا ہے، یہ کتابچہ ۲۲ رجون کو موصول ہوا اس سے قبل ۱۶ صفحات اشاعت کے لیے پریس کے سپرد کئے جاچکے تھے، چنانچہ زیر نظر مضمون کے ساتھ بلحاظ ترتیب انصاف نہیں کیا جاسکا، اس تکنیکی خامی کی وجہ سے ہم مؤلف محترم کے ساتھ ساتھ قارئین سے بھی معذرت خواہ ہیں۔ (ا۔ش)

اس ایک منٹ کے مدرسہ کی تفصیلات، اس کا طریقہ اور اس کا فائدہ حضرت والا کے خلیفہ اجل مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کے قلم گہربار سے اس طرح مذکور ہے:۔

''آج کل تمام عالم میں حضرت والا ہردوئی کا جہاں بھی سفر ہوتا ہے ایک منٹ کا مدرسہ سفر اور حضر میں جاری کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور عملاً اس کی مشق بھی کراتے ہیں کیونکہ امت مسلمہ میں غفلت کا مرض بڑھ رہا ہے، زیادہ دیر کا وعظ سننے سے گھبراتے ہیں اور اکثر اوقات دفتر کی ملازمت یا تجارت کی مصروفیت بھی ان کے لئے طویل وعظ سننے سے مانع رہتی ہے، اس لئے یہ آسان طریقہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' بعد نماز فجر یا بعد نماز عصر یا دونوں وقت جاری کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ ایک امتی بھی محروم نہ رہے اور دین کی ضروری ضروری باتوں سے آگاہی نصیب ہوجائے، اس ایک منٹ میں حسب ذیل مضمون بیان کرنے کا مشورہ دیتے ہیں:۔

(۱) نماز کی سورتوں اور دعاؤں اور تسبیحات کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ بتایا جاوے جس کی ترتیب نماز کی مطابق ہو یعنی پہلے اللہ اکبر کے معنی پھر ثناء پھر أعوذ باللہ پھر بسم اللہ پھر سورۂ فاتحہ وغیرہ، برسوں نماز پڑھتے ہوئے ہوجاتے ہیں لوگوں کو اپنی نمازوں کی تسبیحات اور دعاؤں اور اذکار کا ترجمہ نہیں معلوم ہوتا جس سے نماز میں دل نہیں لگتا، ورنہ جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے اگر اس کا ترجمہ معلوم ہو اور اس کی طرف دھیان رکھا جاوے تو نماز کا لطف بڑھ جاوے اور نماز میں یکسوئی اور حضوری عطا ہو، کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ "النفس لا تتوجه الى شيئين فى آن واحد" فلسفہ کا قاعدہ ہے نفس ایک وقت میں دو شئی کی طرف توجہ نہیں کرسکتا، پس جب اپنے رب سے مناجات کے مفہوم کا خیال رکھے گا تو غیر اللہ کی طرف خیال نہ ہوسکے گا، چنانچہ نماز کو حسین بنانے کی تعلیم اس حدیث میں ہے کہ "اذا قمت فى صلاتك فصل صلاة مودع" جب نماز پڑھو تو اس نماز کو اپنی آخری نماز سمجھو، شاید دوسری نماز تک زندگی نہ ہو تو اس نماز کو کس قدر حسین اور اچھی پڑھے گا، یہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کا جزء ہے، ملا علی قاریؒ اسی حدیث کے اس جزء کی شرح اس طرح فرماتے ہیں کہ موذع اى لما سوى الله بالاستغراق فى مناجاة مولاه (مرقاۃ ج ۹/۳۹۱)

(۲) ایک سنت ایک دن بتائی جاوے مثلاً نماز میں قیام کی گیارہ سنتوں میں سے ایک سنت یہ بتائی جاوے کہ سیدھے کھڑا ہونا اور سر کو نہ جھکانا، دوسرے دن یہ بتانا کہ کل سیدھے کھڑے ہونے کی سنت بتائی گئی تھی آج یہ سنت بتائی جارہی ہے کہ پیروں کی انگلیاں بھی کعبہ شریف کی طرف ہوں، تیسرے دن اس طرح بتائیں کہ پہلے دن اور دوسرے دن یہ سنت بتائی گئی سیدھے کھڑا ہونا اور پیروں کی انگلیوں کا قبلہ رو ہونا آج تیسرے دن یہ سنت بتائی جارہی ہے کہ امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ مقتدی کی تکبیر تحریمہ ادا ہو لیکن شرط یہ کہ امام کی تکبیر تحریمہ سے مقتدی کی تکبیر تحریمہ پہلے نہ ختم ہو ورنہ نماز ہی صحیح نہ ہوگی، اس لئے ساتھ ساتھ سے مراد یہ ہے کہ تاخیر نہ کرے، امام کی تکبیر تحریمہ ختم ہوتے ہی مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کرلے، اس طرح ایک سنت تین دن اور تین سنت ایک دن کا سلسلہ جاری ہوگا اور یاد کرنے میں آسانی ہوگی، برسوں ہوجاتے ہیں ہماری نمازیں سنت کے مطابق ادا نہیں ہوتی ہیں بعض اہل علم کو بھی دیکھا گیا ہے کہ عملی مشق نہ ہونے سے ان کو سنتوں کا استحضار نہیں ہوا جب گذارش کی گئی تو بہت مسرور ہوئے، طریق مذکور سے پوری زندگی سنت کے مطابق ہوسکتی ہے، سنت کی عظمت پر احقر کا ایک شعر ہے

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

ہر مسجد کے ائمہ حضرات اگر ایک منٹ کا مدرسہ اسی طرح جاری فرمادیں تو نماز، وضو، کھانے، پینے، سونے، جاگنے، مسجد میں آنے جانے کی تمام سنتوں کا علم ہوسکتا ہے، ایک سال

میں ۳۶۰ سنتیں یاد ہو سکتی ہیں۔

(۳) بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ بتا دیا جاوے جو جہنم میں گرانے کے لئے کافی ہیں تا کہ اس سے توبہ کی توفیق ہو۔

(۴) گناہوں کے نقصانات جو دنیا میں پیش آتے ہیں جن کو جزاء الاعمال میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے ہر روز ایک نقصان کو بتادے بعد میں گناہوں سے آخرت کے چند نقصانات بھی روزانہ ایک ایک بیان کردے۔

(۵) نیکیوں کے فوائد جو دنیا میں عطا ہوتے ہیں ان میں سے ایک بتا دیا جاوے اور آخر میں نیکیوں سے آخرت کا ایک ایک فائدہ روزانہ بتا دیا جاوے، ان پانچ باتوں کو ایک منٹ میں بیان کردے، یہ ایک منٹ کا مدرسہ ہے، شاید کوئی بھی ایک منٹ کے مدرسہ سے محروم نہ رہے گا، کیونکہ مشغول سے مشغول آدمی بھی ایک منٹ دے سکتا ہے، اس کے بعد درس تفسیر یا درس حدیث کا جو سلسلہ علمائے کرام اور ائمہ کرام کا ہو اس کو جاری فرمائیں جن کو وقت ہوگا وہ اس میں شرکت کریں گے اور جن کے پاس وقت نہ ہوگا وہ ایک منٹ کے مدرسہ سے نفع اٹھالیں گے، اللہ تعالیٰ ایک منٹ کا مدرسہ سارے عالم میں جاری فرماویں اور امت مسلمہ کو اس سے مستفیض فرماویں اور اس کے نفع کو عام وتام فرماویں اور اس کے موجد ومؤلف کے لئے قیامت تک صدقہ جاریہ بناویں آمین"۔

اب اس ایک منٹ کے مدرسہ اور اس کے پہلے سبق کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(۱) ترجمۂ نماز: اللہ اکبر کے معنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں بلکہ بڑائی صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔

(۲) ایک سنت: نماز کے قیام کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ قبلہ رو سیدھے کھڑے ہونا اور سر کو نہ جھکانا۔

(۳) ایک کبیرہ گناہ: بڑے بڑے گناہ جن پر عذاب کی وعیدیں آئی ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ ہے کسی پر حقارت سے ہنسنا

(۴) گناہ کے نقصانات: گناہوں کے نقصانات سے جو دنیا میں ملتے ہیں ایک یہ ہے کہ گناہ کی نحوست سے بندہ علم دین سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۵) طاعت اور عبادت کے فوائد: نیکی اور عمل صالح کے وہ فوائد جو دنیا ہی میں عطا ہوتے ہیں ایک یہ کہ رزق میں برکت عطا ہوتی ہے یعنی کبھی رزق ظاہری میں زیادتی بھی ہوتی ہے اور برکت تو ہمیشہ عطا ہوتی ہے۔

اس نمونہ کے ایک سو بیس اسباق کا مجموعہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے ایک کتاب کے اندر جمع فرمادیا ہے جس کا نام ہے "ایک منٹ کا مدرسہ" ناظرین کرام اس عظیم تربیتی پروگرام سے فائدہ اٹھانے کے مواقع کو اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے، اس سے پورا اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کس انہماک کے ساتھ امت کی اصلاح کی فکر میں گذری، اس دینی، دعوتی اور اصلاحی عمل کا ایک مختصر خاکہ اس چھوٹے سے مضمون میں پیش کیا گیا ورنہ حضرت کی مجاہدانہ زندگی کا مفصل ذکر وتعارف بڑی بڑی جلدوں میں پورا نہ ہو سکے گا، خود "مجالس ابرار" جو حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے ترتیب دیا ہے حضرت والا کے اصلاحی ذہن اور ان کا احسانی مرتبہ سمجھنے کے لئے کافی ہے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

مسبئی کی مشہور و معروف مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص بتیسہ لڈو۔
ودیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

طہورا سوئیٹس

بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
☎ ۲۳۰۸۲۷۷۳_۲۳۰۹۱۳۱۸

شہادت حق

ہمارے مسائل کی جڑ اور بنیاد

دعوتِ دین سے غفلت: چند تلخ حقائق

(گذشتہ سے پیوستہ)

امین الدین شجاع الدین

گذشتہ شمارہ میں ہم نے "دعوت دین سے غفلت۔۔۔ چند تلخ حقائق" پر چند سطریں سپرد قلم کی تھیں اُسی سلسلہ کی چند ایک باتیں مزید ذہن میں آرہی ہیں۔ ذہن تو گزرگاہ ہے اس لئے کوشش کی جانی چاہئے کہ وہ باتیں بھی محفوظ ہو جائیں۔

یہ دور اطلاعاتی انقلاب کا دور ہے جو نہ صرف ہماری دہلیز پر دستک دے رہا ہے بلکہ شبستانوں میں داخل ہو چکا ہے اُس کے مثبت اور اس کے منفی اثرات پورے معاشرہ پر مرتب ہو رہے ہیں اور عریانیت وفحاشی کا اس قدر چلن ہو گیا ہے کہ ذرائع ابلاغ کی دوسری چیزیں تو درکنار، عالم یہ ہے کہ ایک روزنامہ بھی اب اس لائق نہیں رہا کہ شریف گھرانے اُسے بے فکری کے ساتھ اپنے گھروں میں جاری کرا سکیں، بدی کا ایک سیلاب بلا ہے جو اخلاقیات کے ایک ایک باندھ کو بہائے لئے چلا جارہا ہے اور تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ جرائم کا گراف تیزی سے بڑھ رہا ہے، اس صورت میں ہمارے سامنے صرف دو راستے ہیں کہ یا تو خدانخواستہ خس و خاشاک کی طرح اس سیلاب کے بہاؤ پر خود کو حوالہ کردیں یا امت خیر ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے لئے فکرمندی سے سر جوڑ کر بیٹھیں۔

جہاں تک سوال ذرائع ابلاغ کا ہے تو وہ فی نفسہ معصوم ہوتے ہیں اور یہ ان کے اچھے اور برے استعمال پر موقوف ہے کہ وہ کس مقصد کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ سوچ کہ علی العموم معاشرہ کا ضمیر مر چکا ہے، صحیح نہیں ہے، الحمد للہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم ہمسایوں میں بھی کثرت سے ایسے لوگ ملیں گے جو فحاشی کے سیلاب سے مضطرب و بے چین ہیں اس صورت میں ذرائع ابلاغ کے زہر کو کم کرنے کے لئے ہمیں متبادل نظم کرنا چاہئے، الحمد للہ دعوتی کام کے سمت میں ہند اور بیرون ہند میں کچھ کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے لیکن اس کا دائرۂ کار اور دائرۂ اثر محدود ہے البتہ آغاز ہوا تو ہے، پہلو ہوئی تو ہے۔ اس موقع پر ناچیز ایک بات ان زندہ دلان ملت سے عرض کرنے کی اجازت چاہے گا کہ فحاشی سے بیزار و عاجز برادران وطن کو بھی ایسے پروگراموں میں شامل کرنے کے لئے حکمت وتدبر کے ساتھ تدریجی طریقہ سے صرف مذہبی پروگرام کے علاوہ کچھ اخلاقیات پر مبنی دلچسپ پروگرام بھی شامل کئے جائیں۔ کچھ دلچسپی تو پیدا ہو پھر اللہ مقلب القلوب ہے اور وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے!

ذرائع ابلاغ کے سلسلہ میں اگر صحیح العقیدہ لوگ آگے نہیں آئیں گے تو داخلی خطرات بھی منہ پھیلائے کھڑے ہیں۔ ایسے بااثر وباہل ثروت اس میدان میں آئیں گے جو اسلامی فکر کو چیستاں بنا کر پیش کریں گے اور اسلام کو محض رسوم ورواج اور خرافات وتوہمات کا مذہب بنا کر پیش کریں گے اور تدبیائی پڑے گی۔

یہ بات تو ہوئی مسالک ومشارب کی بات، لیکن اس سے آگے کا مرحلہ بڑا پُرخطر ہے اسلام کے نام پر باطل فرقوں کی ریشہ دوانیوں کا مسئلہ! قادیانیت نے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جن فتنہ سامانیوں کا جال بچھا رکھا ہے اس کا صحیح ادراک وشعور وہی حضرات کر سکتے ہیں جو براہ راست ذرائع ابلاغ سے وابستہ ہیں اور اس کی بھرپور واقفیت رکھتے ہیں دجل وفریب قادیانیوں کا شیوہ ہے جس سے وہ کمال ہوشیاری سے کام لے رہے ہیں۔

ایک طرف تو الحمد للہ دنیا میں اسلام کے تعلق سے جستجو پائی جاتی ہے اور جدید تعلیم یافتہ اور کھلے ذہن کا یہ طبقہ انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع سے اس تشنگی کو بجھانا چاہتا ہے۔ لیکن نت نئے عیار ومکار شکاری پہلے ہی ایسا جال بچھائے ہوتے ہیں کہ وہ اسلام کی صحیح تصویر سے آگاہ ہونے کی بجائے باطل مذہب کے دام فریب میں آجائیں۔ کتنے ویب سائٹ اور کتنے ڈاٹ کام ایسے ہیں جو اسلام کے نام سے جڑے ہیں لیکن اصلاً وہ اسلام کی نہج کٹی، اس کی غلط تشریح وتصویر کشی کے لئے ہیں۔

چنانچہ یہاں مسئلہ Authenticity کا ہے، ان کے مستند ہونے کا ہے اور اس کا ایک آسان حل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے صحیح العقیدہ معروف ومستند ادارے اور جماعتیں آپس میں برسرپیکار ہوئے بغیر اور نو واردین کو تذبذب اور کنفیوژن میں ڈالے بغیر بنیادی و اساسی اسلامی احکامات و تعلیمات پر مشتمل ویب سائٹ اور ڈاٹ کام کھولیں۔ اس سلسلہ میں بھی میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اداروں اور جماعتوں کا تعارف صرف اس حد تک رہے کہ اس کا مستند ہونا ایک دور دراز کے ناظر کے لئے کافی ہو جائے۔ اصل توجہ اسلامی تعلیمات واحکامات پر دی جائے۔ اطلاعاتی انقلاب کے مضمرات وخطرات اور اندیشوں سے اگر ان دنوں ذرا سی بھی غفلت برتی گئی تو خدانخواستہ زمین پیروں تلے سے نکل چکی ہوگی۔ یہ تو ان کی باتیں ہوئیں جو بظاہر گھر کے بھیدی ہیں اور ہمیشہ سے اسلام مخالف

عناصر کے آلہ کار بنتے آئے ہیں، ادھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور نت نئے فتنے جگائے جارہے ہیں **الکفر ملة واحدة** کے اصول کے تحت یہودیوں کی سربراہی میں یہ عناصر سرگرم ہیں اب محض مسلہ مستشرقین کا ہی نہیں رہا بلکہ باطل اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ محاذ پر سرگرم ہے۔

اس میں بظاہر اپنے چہرے بھی دکھائی پڑتے ہیں، نام ہی کے اعتبار سے سہی لیکن کام ہوتا ہے دین کے نام پر اور نعوذ باللہ اس کی اصلاح کے نام پر۔۔۔ دنیا بڑی وسیع وعریض ہے کتنے لوگ ہیں جو خالی الذہن ہیں کیا یہ تصور کرنا محض خام خیالی ہوگی کہ اسلام کے نام پر یہ غلط پروپیگنڈہ خالی الذہن یا مشکوک لوگوں میں تشکیک کے جراثیم نہیں پیدا کرتا ہوگا۔ وسیع وعریض دنیا کے لوگوں تک اپنے صحیح پیغام اور صحیح موقف کو پہنچانے کا ذریعہ ذرائع ابلاغ ہی ہے۔ دل مسوس کر رہ جاتا ہے کہ جن دنوں صحراء عرب سونا اُگل رہا تھا ورلڈ آرڈر کے نقیب کی نگاہ بد سے جن دنوں وہ نسبتاً محفوظ تھا اور شاہ فیصل مرحوم اس سیال سونے کو ہتھیار (Weap on) کے طور پر استعمال کر رہے تھے افسوس کہ ان دنوں عالم عرب کی قیادت نے اطلاعاتی انقلاب کے ان خطرات کے تدارک کی کوئی عملی تدبیر نہیں کی۔۔۔۔ چنانچہ آج نہ ہماری کوئی آواز ہے نہ خبر رساں ایجنسیاں بلکہ خبروں کے جاننے کے لئے ہم ان ہی یہودی خبر رساں ایجنسیوں کے محتاج ہیں جن کے رگ وریشہ میں اسلام دشمنی سرایت کئے ہوئے ہے۔

رہا امریکہ بہادر، اس کے حلیف اور اس کے بغل بچہ یہود کی اسلام دشمن سازشیں تو وہ اظہر من الشمس ہیں، فرقان الحق کے نام سے جس کتاب کی اشاعت کی گئی ہے اور مغالطہ دے کر اسے قرآن کا نام دے کر اسے جس طرح پھیلایا جارہا ہے اور اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن مقدس کی امریکی فوجیوں نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ جس طرح بے حرمتی کر کے مسلمانوں کی ذہنی اذیت کا سامان کیا ہے اس سے ہر خاص وعام واقف ہے فرقان الحق نامی مذموم کتاب کی حقیقت اور اس کی جزئیات کو بھی بے نقاب ہونا چاہئے ورنہ ان باطل قوتوں کے مادی وسائل اسلام اور حق کے متلاشیوں کو گمراہ کرنے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ امور تو یہی بتاتے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی اور اسلام دشمنی کے لئے جتنی منصوبہ بند اور ٹھوس کوششیں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں اس کے بالمقابل دعوت دین کے لئے اس قدر منصوبہ بند وٹھوس کوششیں نہیں ہو سکیں۔ الحمد للہ، اللہ کے چند باتوفیق نیک و پاکباز اور دردمند افراد اس راہ میں جو کچھ بھی ٹوٹی پھوٹی کوششیں کر رہے ہیں، اللہ ان میں اخلاص و برکت دے اور انھیں ثمر آور بنائے۔

ذرائع ابلاغ کے تناظر میں دعوتی کام کے سلسلہ میں جو خاکہ پیش کیا گیا وہ بے رنگ رہے گا اگر عامۃ المسلمین اسلامی تعلیمات واحکامات سے بیگانہ رہے اور زمینی سطح سے جڑے ہوئے نہیں رہے ورنہ مذکورہ بالا خاکہ ایک فضائی قلعہ ہوگا یا ریت کا ایسا گھروندا جس کے وجود کو خم کرنے کے لئے ہوا کا ایک جھونکا ہی کافی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کئے بغیر دین کی اشاعت کا بیج کبھی برگ وبار نہیں لاسکتا۔

دعوت دین کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ جو ہمارے اپنے ہاتھوں کی وضع کردہ ہے، وہ ہے مسلکی عصبیت۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے بارے میں نہیں معلوم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے مگر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جن دنوں وہ دھرم کی تبدیلی پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے اور جب کچھ دردمند داعی ان کو اسلام کی ترغیب دینے گئے تو چونکہ ان کا اسلام کا مطالعہ تھا اور وہ مسلمانوں کے وضع کردہ مذہبی داخلی انتشار سے بھی واقف تھے اس لئے انھوں نے ان لوگوں سے برجستہ پوچھا کہ مجھے بتایئے کہ میں کون سا اسلام قبول کروں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی، آخر کون سا اسلام قبول کروں؟ بات تلخ تھی لیکن حقیقت واقعہ پر مبنی تھی چنانچہ دعوت اسلام پیش کرتے وقت چشمۂ صافی کتاب وسنت سے اس کی مبادیات، اس کی بنیادی متفقہ تعلیمات اور اس کی عقل ودماغ اور دل کے تاروں کو چھیڑنے والی وہ تعلیمات کا مجموعہ پیش کرنا چاہئے، تاکہ وہ بآسانی سمجھ سکیں کہ یہ خود ان کی اپنی بنیادی ضرورت ہے اور آخرت کی نجات کا واحد راستہ یہی ہے اس کا اظہار کرتے ہوئے دل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے کہ ہمارا ''ایک حلقہ'' اکثر شدت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے اور بزعم خود اپنے آپ کو ہی نجات پانے والا فرقہ سمجھتا ہے، بات یہاں تک بھی ٹھیک اور گوارا ہے لیکن دوسروں کو دین سے برگشتہ سمجھنے اور امام اعظم اور ہدایہ جیسی فقہ کی بنیادی اور کلیدی کتابوں کے متعلق ایسے نازیبا کلمات کہنے کی کون سا اسلامی اخلاق اجازت دیتا ہے اور یہ کہاں کی دینداری ہے مسلکی اختلافات کی جو حکمتیں ہیں ان کو بیان کرنے اور واضح کرنے کے لئے ہمارے علماء نے اپنی توانائیاں صرف کی ہیں لیکن ان کو سمجھے بغیر محض اُردو کی چند ایک کتابیں پڑھ کر دین کی طرف مائل طبقہ پر شب خون مارنا اور انھیں ورغلانا ہی اس طبقہ کے نزدیک دعوت ہے۔ کتاب وسنت کا نام چبنے والوں کا یہ کردار کتاب وسنت سے قطعی میل نہیں کھاتا اور Confusion کی وہ بدترین صورت پیدا کر دیتا ہے جس سے متلاشیان حق میں بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ مسلک کی دعوت کو اوّلیت کا درجہ دے دینے نے دعوت اسلام پر بڑے منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ آپ عقائد اور مبادیات سے اسے واقف کرایئے اور پھر آگے کا مرحلہ میں تدریجی طریقوں کا لحاظ رکھئے تو انشاء اللہ متلاشیان حق خود کسی صحیح العقیدہ فکر اپنانے والے ہو جائیں گے۔

دُنیا کے ایک بڑے حصہ میں مسلمان دفاعی پوزیشن میں لا کھڑے کر دئے گئے چنانچہ اُن کی توانائیاں دفاع میں صرف ہوتی رہیں اور وہ اپنے وجود وبقا اور Survival کی لڑائی لڑتے رہے۔ کچھ مقامات پر ایسا بھی ہوا کہ سیاست اور مذہب کو اتنا گڈمڈ کر دیا گیا کہ جو دراصل سیاسی جدوجہد تھی اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا اور شوق شہادت کے نام پر جاں نثاری کا ایک سلسلہ شروع ہوا نتیجہ میں لاکھوں افراد اس کی نذر ہو گئے، ماں کی گودیں اپنے لعلوں سے خالی ہو گئیں اور کتنی بہنوں کا سہاگ اُجڑ گیا۔ کتنے خاندانوں کے چراغ گل ہو گئے۔ ملال اس کا ہے کہ یہ سب تحریک، دین کے نام پر چلتی رہی اور دوسری طرف صورت حال یہ ہوئی کہ دینی لحاظ سے زمین پیروں تلوں سے نکلتی چلی گئی، غربت، افلاس، ماں باپ کی یہ فکر کہ ان کے جگر گوشے ان شورش زدہ علاقوں سے نکل جائیں اور کہیں گوشۂ عافیت پا جائیں، ان باتوں نے باطل تحریکوں کو موقع فراہم کیا کہ وہ وہاں اپنا جال بچھا دیں، چنانچہ تعلیم وثقافت کی راہ سے بھی اپنے مقاصد کی برآوری میں لگ گئے۔ راقم سطور کا چند برسوں پہلے قادیان جانا ہوا تھا تو وہاں میں نے بڑی تعداد میں کشمیری بچوں کو زیر تعلیم پایا، اُن کے ماں باپ کے سامنے مسئلہ جان کی امان کا ہے پھر شکاری ایسا جال بچھاتے ہوں گے کہ جان کی امان ہی نہیں، اس میں ایمان کی سلامتی بھی ہے، تعلیم وتربیت بھی ہے، دشوار گذار حالات کے صنور میں پھنسے عوام ان کے جال کو کنج عافیت سمجھتے ہیں اور اپنے بچوں کی جان کو سلامت دیکھنے کی آرزو میں انھیں صیاد کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ دین کے نام پر تحریک چلانے والے اور اپنے لہو سے زمین کو سینچنے والے اس بدترین صورتحال کی طرف توجہ نہیں دے پاتے جس سرزمین پر دین کے لئے تحریک بپا ہے اسی سرزمین کا نقشہ چند برسوں میں دین سے الاتعلقی میں تبدیل کر دینے کی منصوبہ بند کوششیں جاری ہیں۔

یہ بھی ایک المیہ ہے کہ جن مقامات پر ہم کثرت میں رہے وہاں بھی ہماری ترجیحات (Priorities) میں دعوت دین شامل نہیں رہا۔ حکمت وتدبر کی بجائے جوش وجذبہ ہم پر غالب رہا چنانچہ اسی لحاظ سے ترجیحات بھی طے ہوتی رہیں۔

جماعتوں میں تبلیغی جماعت اس لحاظ سے ممتاز ومؤثر ہے کہ وہ Grassroot کا کام کرتی ہے۔ اس نے اپنے لئے جو میدان کار چنا وہ زمینی حقائق سے جڑا ہوا ہے اگرچہ جماعت بنیادی طور سے قلب میں سوز وگداز اور خشیت پیدا کرتی ہے اور یہ وہ کام ہے جو دعوت دین کی راہوں کو ہموار کرتا ہے۔ اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کام کی نوعیت اور طریقہ کار کی محدودیت بھی اسے فتنوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور ایک مخصوص طرز پر اور یکسانیت کے ساتھ ساری دنیا میں کام ہو رہا ہے لیکن بہر حال یہ اصلاح امت کا کام ہے اور اس امت کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کام سے اس کے تقاضے ظاہر ہے کہ پورے نہیں ہوتے۔ لیکن اس کی اہمیت، اس کی افادیت، اس کی نافعیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

رہی دوسری تنظیمیں اور ادارے تو ان کے پیش نظر دعوت دین کا کام ہے اور وہ اپنے اپنے نہج پر اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ مختلف زبانوں خصوصاً علاقائی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم کی تفہیم، اسلام کے تعارفی لٹریچر کی اشاعت وقتاً فوقتاً برادران وطن سے رابطہ، محاسن اسلام کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام کو شبہات کے گھیرے سے نکالنے کی کتابوں کی اشاعت اور ڈائیلاگ کا اہتمام یہ وہ کاوشیں ہیں جنھیں نظر انداز کرنا ستم ظریفی کی بات ہوگی لیکن کاش کہ دعوت دین کا کام ان کی ترجیح اوّل بن سکے البتہ جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب قابل تحسین اور قابل قدر ہیں۔

البتہ اس نوعیت کے کام کے مخاطب پڑھا لکھا یا دانشور طبقہ ہے، جس طرح تبلیغی جماعت عوامی سطح پر اصلاح امت کا کام کر رہی ہے، اس طرح عوامی سطح پر دعوت دین کا کام کرنے کی ضرورت ہے، اسلام کی تعلیمات اس قدر فطری سادہ ودلکش ہیں کہ اس کو سمجھنے کے لئے کسی آئنسٹائن کے دماغ کی ضرورت نہیں، ایک عام فہم اور سیدھا سا پیغام ہے جو رب کا اپنے بندہ کے نام ہے۔ زندگی کی آلائشوں سے عاجز دُنیا دلی سکون کی واقعی طالب ہے اور انھیں قلبی سکون صحیح اسلامی تعلیمات میں بآسانی مل سکتا ہے۔ دلوں کی زمین کا سخت ہونا، اس راہ میں قدم قدم بلاؤں کا پایا جانا اور مواقع ومشکلات کا ہونا۔ یہ سوچ پست ہمتی کی سوچ ہے، تن آسانی کی سوچ ہے اور فریضہ کی ادائیگی سے راہ فرار کی کوشش ہے ورنہ عوامی سطح پر پیاس اور طلب ہے اور حق بات کو قبول کرنے کا مزاج بھی ہے۔

ہاں مسئلہ ان نو واردوں کی تربیت کا بھی ہے، چند ادارے اپنے ٹھوس ارادوں اور اللہ کی توفیق کے بل بوتے اور اسی کے سہارے پر یہ کام بھی کر رہے ہیں، جماعتیں بھی انھیں کچھ سہارا اور تقویت پہنچاتی رہتی ہے لیکن مسائل اور بھی ہیں اور یہ مسائل بآسانی حل ہو جائیں اگر مسلمان سچی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ذات پات، رنگ ونسل جیسے غیر اسلامی رسوم کو اپنے یہاں سے دربدر کر دیں مشکل یہ ہے کہ علی العموم ہم مسلمانوں نے اپنے ہمسایوں پر اثر مرتب کرنے کے بجائے اثر قبول کیا ہے ذات برادری کے بکھیڑے اس کی ایک مثال ہیں۔

مذکورہ بالا سطریں ایک رائے اور چند افکار پریشاں پر مبنی ہیں اور ان علماء کرام کو اس مضمون کے ذریعہ دعوت فکر دینا ہے جو مستند علماء کرام ہیں اور شریعت مطہرہ کی جزئیات پر جن کی نگاہ ہے، اصل فیصلہ، فکر اور رہنمائی تو اُن ہی کا حصہ ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلامی ثقافت وتمدن

مساجد میں میناروں کی ابتدا

سید ولی حسن ندوی

اسلام کا نور جزیرۂ عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیل گیا، علم ومعرفت کے ذریعہ اس معاشرہ پر بھی اس نے اپنا سکہ جمایا، جہاں بھی قدم رکھا اپنی بے مثال تہذیب وتمدن کے لیے فضا ہموار کی، پھر اس کی ترقی کے لیے اسباب فراہم کیے، روشن افکار اور نئے نئے تجربات کے ذریعہ اس کو بڑھایا، مسلمان امراء وسلاطین نے بھی علماء و مفکرین اور فنکاروں کی قدردانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، ان کے لیے سکون واطمینان کا ماحول فراہم کیا، طلباء اور علماء کے لیے مدارس اور تحقیقاتی ادارے (بیوت الحکمہ) قائم کیے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تہذیب وتمدن (جو کہ دراصل انسانی تہذیب وتمدن ہی ہے) اس اوج کمال پر پہنچا جس کا اعتراف غیروں نے کیا اور اپنایا بھی۔

عربوں نے ملک کو فتح کرنے کے ساتھ ہی چھوٹے بڑے شہر بسائے، پرانے شہروں کی ترقی کے لیے نقشے تیار کیے، یہ شہر اور ان کے اندر موجود مختلف قلعے، عمارتیں اور مساجد اسلامی تمدن کے وہ مینارے ہیں جس کے ذریعہ علوم و فنون کی روشنی پوری دنیا تک پہنچی، جلد ہی ان شہروں کی تعمیراتی خصوصیات اور معماروں کے فنی کمالات مسلمانوں کے لیے مخصوص سمجھے جانے لگے، ان کی تعمیر کردہ عمارتیں، ان کے بنائے ہوئے قلعے آج بھی ان کے اس فنی کمالات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، ان کا شمار قدیم آثار میں بھی ایک منفرد اور بلند مقام رکھتا ہے۔

مساجد اور ان کے مینار بھی اُن کی خوبصورت فنکاری کے نمونہ ہیں، اُن کی تعمیر اور اُن میں موجود نقش ونگار مسلمان معماروں کی انفرادیت ہے، امراء وسلاطین کی دلچسپیاں بھی اُن کی تعداد میں اضافے کا سبب ہیں، وہ خوبصورت مساجد کی تعمیر میں بے دریغ خرچ کرتے، مسلمانوں کی پہلی مسجد "قبا" کی مسجد ہے، جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ قدم رنجہ فرمانے سے پڑی، اس کی تاریخ ہجرت نبوی سے وابستہ ہے، جہاں آپ کا قدم مبارک پڑا وہ سرزمین سجدہ گاہ عام بن گئی، اس کے مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگیا، یہ مسجد سادگی میں اپنی مثال آپ تھی، اس کی دیواریں پتھر اور گارے سے اور ستون کھجور کی شاخوں سے تیار کیے گئے۔

اسلام کو آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ علوم وفنون کی طرح مسلمانوں نے فن تعمیر کی طرف توجہ کی، پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہی مساجد میں محراب بن گئے، وضو خانے تعمیر ہوئے اور بلند مینارے آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے۔

ابتدا میں مینار تعمیر کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مؤذن اس بلند جگہ سے اذان دیا کرے، تاکہ اس کی آواز دور تک پہنچے، اسی لیے مینار کو "منذنۃ" اور مؤذنۃ" جمع مآذن (اذان دینے کی جگہ) بھی کہا جاتا تھا، یہ مینارے (خاص کر ابتدائی دور میں) عیسائیوں کے گرجا گھر کے مینارے سے مشابہ تھے، اس لیے ان کو صومعۃ جمع صوامع بھی کہا گیا، یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اسلام نے ابتدائی دور میں محرابوں اور میناروں کا ذکر کیا۔ خود مسجد کی دیواریں اور چھتیں انتہائی درجہ کی سادگی کا نمونہ تھیں، پھر آہستہ آہستہ ضرورت کے تحت اور کچھ دوسروں سے متاثر ہوکر ان اضافی چیزوں پر توجہ دی جانے لگی۔

سب سے پہلے مینارے کا تذکرہ بلاذری نے کیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے عراق میں متعین گورنر زیاد بن ابیہ نے تعمیر کروایا تھا، جب بصرہ کی آبادی بڑھ گئی اور شہر کافی پھیل گیا تو ۴۵ھ میں جامع بصرہ کی اس نے از سر نو تعمیر کروائی، اس میں پتھر کا ایک مینارہ بھی بنوایا تھا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۲۱ھ میں قسطاط (مصر) میں ایک مسجد بنوائی، اس مسجد کو جامع عمرو بن العاص کہا گیا، ۵۳ھ میں حضرت معاویہؓ نے والیٔ مصر مسلم بن خالد کو اسی مسجد کی توسیع کا حکم دیا، انھوں نے مسجد کو از سر نو تعمیر کیا اور مینارے بنوائے، جہاں سے اذان دی جاتی تھی، عموماً تاریخ اسلامی میں اسی مسجد کے مینارے کو سب سے پہلا مینارہ شمار کیا جاتا ہے۔

یہ مینارے جہاں بھی تعمیر ہوئے (یا ہوتے ہیں) آپس میں بہت حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ دمشق کی جامع مسجد جامع اموی کے مینارے کو دیکھئے یا تیونس کے جامع القیروان کے مینارے کو، سامراء کی جامع کبیر کے مینارے کی بات کیجئے یا حلب کے جامع کبیر کے مینار کی، اندلس (اسپین) کے جامع اشبیلیہ کا مینار ہو یا مراکش کے جامعۃ تنیہ کا، یہ سارے مینارے آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ مینارے تقریباً اسی طرز کے بنتے تھے

جس طرز کے آج ہم لوگ اپنی مسجدوں میں دیکھتے ہیں، فرق صرف اس کا تھا کہ ان کے اندر عموماً زینے تعمیر کیے جاتے تاکہ موذن منذنۃ (اذان دینے کی جگہ) پر پہنچ کر اذان دے سکے، اس لیے اکثر یہ نیچے سے چوکور ہوتے، اگر گولائی لیے ہوئے بھی ہوتے تو اس طرح کہ اندر زینے تعمیر ہوگئیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میناروں کی شکلیں اور طرز تعمیر میں ایک مماثلت ہوتی ہے مگر ان کی لمبائی، چوڑائی کے علاوہ ساخت میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے، اسی لیے مماثلت کے باوجود ایک دوسرے سے منفرد نظر آتے ہیں، موجودہ دور کے مینارے اتنے چوڑے یا چوکور تو نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے اندر (اکثر وبیشتر) زینے تعمیر کیے جاتے ہیں مگر عموماً طرز وہی قدیم ہے جو اسلامی فن تعمیر کا آئینہ دار ہے۔

اب لاؤڈ اسپیکر (Loud Speaker) کے استعمال نے ان میناروں کی حیثیت منذنۃ (اذان دینے کی جگہ) کی تو نہیں رہنے دی مگر یہ بلند مینارے ہمارے مساجد کی پہچان ہیں، ان کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، اور قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ مینارے اسلام کے ایک عظیم رکن سے ہمارے تعلق کے گواہ اور کسی بھی گاؤں، دیہات، قصبہ یا شہر میں ہماری تعداد اور وجود کا ثبوت ہیں۔

مینارے بلاشبہ مساجد کی تاریخ سے مربوط ہیں مگر اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، برصغیر میں لوگ چار مینارے بناتے ہیں، عراق وشام میں دو مینارے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ (حرمین کے علاوہ مساجد میں) صرف ایک مینارہ، اور اصل مسجد جس سے تمام مسجدیں نکلیں اور جس رُخ پر ہر مسجد کا قبلہ ہے (یعنی کعبہ) اس پر کوئی مینارہ نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁

مولانا اشرف عالم ندوی نہیں رہے

رکن مجلس شوریٰ ندوۃ العلماء، جناب مولانا اشرف عالم ندوی صاحب (بھاگلپور) انتقال فرماگئے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں مولانا مرحوم پر تفصیلی مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین حضرات!

ملک کی صورت حال اس بات کو لازم قرار دے رہی ہے کہ انسان دوستی اور اسلام کے تعارف کا کام خوب کیا جائے۔

لہٰذا ہر اس شخص سے جو اسلام کے لیے دل رکھتا ہے اس سے التجا ہے کہ اس کام کو شروع کرے اور اس کی ابتدا مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ سے کرے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کتابوں کی تقسیم کا کام کرے۔ انشاء اللہ ہماری نیت پر اللہ تعالیٰ نتیجہ لائے گا۔

نبی-ے-رحمت	120/-	Muhammed: the last prophet	90/-	90/- سیرت رسول اکرمؐ
آدرش شاسک	25/-	Storis of the prophet	55/-	20/- مقام انسانیت
مانوتا کا استر	20/-	Islam an introduction	40/-	25/- پیام انسانیت
مانوتا کا سندیش	20/-	Islam and the world	120/-	40/- اسلام کا تعارف
اسلام کا پرچیے	20/-			
نبیوں کے قصے I-II	80/-			

ان تمام کتابوں پر جب کہ تقسیم کے لیے ہو اور ان کی تعداد پچاس پچاس سے کم نہ ہو۔ 50% رعایت۔

تعمیر حیات کے قارئین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ آرڈر بھیجیں۔

رابطہ کے لیے ہمارا پتہ

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS P.O.BOX 119 NADWATUL ULAMA LUCKNOW -226007(INDIA)
PH: 0522-2741539 FAX: 2740806 MOB: 9335223411- Email nadwa@sancharnet.in

نوٹ: منی آرڈر/ ڈرافٹ اس نام سے ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS بھیجیں

آرڈر بھیجتے وقت اپنا تعمیر حیات خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. : 2254796 ------(پروپرائٹر : ولی اللہ)------

WALI ULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery

ولی اللہ جویلرس

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ شمامۃ العنبر

☆ عطر گلاب ☆ روح خس ☆ عطر موتیا ☆ عطر حنا ☆ عطر گل ☆ عطر کیوڑہ

☆ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں فون: 234445

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج

دو تازہ تالیفات

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک عہد ساز شخصیت

از : حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

==========

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی

ایک تذکرہ

از : مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی

Maqbool Mian Jewellers

مقبول میاں جویلرس

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow.

Phone : 2618636, 2258506

Mobile : 9415001207

IZHARSON PERFUMERS

Phone : 0522-2255257

اظہارسن پرفیومرس

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ،

عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد دکان

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳

تیار کردہ

Izharson Perfumers

Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003

E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

ریڈی میٹ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں

menmark®

58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow

Phone (S)2616946, (R)2627443

تعارف وتبصرہ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ

ایک تذکرہ

(از ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی)

الحمد للہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور اس کے باوقار صاحب علم و فضل مہتمم ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی کے لئے یہ مقدر تھا کہ حضرت شاہ محمد ابرار الحق صاحب حقی کی خدمات و تعلیمات پر مشتمل ایک کتابچہ سب سے پہلے مولانائے محترم ہی کے قلم گہر بار سے منظر عام پر آتا اور اولیت کا یہ شرف انھیں ہی کو نصیب ہوتا۔ نقش اوّل، نقش اوّل ہوتا ہے اس حالت میں جب کہ محی السنہ کی وفات کا زخم ابھی تازہ اور ہرا ہے، اس کا مطالعہ انشاء اللہ دل پر نقش و ثبت ہو کر رہ جائے گا۔ عدیم الفرصتی کے اس دور میں صاحب ذوق قارئین اور عام قارئین بھی ایسی کتابوں یا کتابچوں کے متلاشی رہتے ہیں جو ان کے سامنے مختصر سے وقت میں جامعیت کے ساتھ بات پیش کردے، مؤلف محترم نے قارئین کے ذوق و مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے ۳۲ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ میں اس مفید و مؤثر اصول کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ برتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ قاری کتابچہ کو ایک ہی نشست میں ختم کر کے دم لیتا ہے۔

مذکورہ کتابچہ میں جناب مؤلف نے حضرت محی السنہ کی تعلیمات کا عطر کشید کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت محی السنہ نے چھوٹی سی چھوٹی اور متروک سنتوں کے احیاء کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ کتاب و سنت ہی اس امت کی بنیاد و اساس ہے اس کتابچہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضرت محی السنہ نے ان ہی دونوں میدانوں کو اپنی جد و جہد کے لئے منتخب کیا اور ان کے اخلاص و اختصاص و دردمندی و دلسوزی اور جذب دروں نے اللہ کی رحمت کو ایسا متوجہ کیا کہ حضرت کا لگایا ہوا پودا تناور درخت بنا جس کی گھنیری چھاؤں میں کتاب و سنت سے عشق کرنے والوں اور اسے اپنا وظیفۂ حیات بنانے والوں کا وہ ہجوم عاشقاں ہوا جن کا ذوق کتاب و سنت کا ذوق اور جن کا وجدان کتاب و سنت کا وجدان بن گیا۔

مؤلف محترم کے اس کتابچہ کی جاذبیت و مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ باوجود صاحب قلم ہونے کے موصوف نے کتابچہ کے بیشتر حصہ کو حضرت کے ملفوظات سے مزین رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ کتاب و سنت کے داعی اور امت کے مصلح کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کی اپنی نورانیت اور اپنی تاثیر قائم رہے دل سے نکلنے والی بات دل پر گرتی ہے اور بعض دفعہ تو کوئی ملفوظ جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور ''ضرب مؤمن'' کا احساس دلاتا ہے۔

جناب مؤلف نے بڑی خوش سلیقگی اور خوش اسلوبی سے حضرت محی السنہ کی تعلیمات و خدمات کو ان ہی کے ملفوظات کی روشنی میں اس طرح اجاگر کیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان کی مجلس دعوت الحق کا پورا خاکہ اور طریقہ کار قاری کے سامنے آجاتا ہے بلکہ حضرت محی السنہ کی دینی و دعوتی تڑپ و کسک کا بھی اندازہ ہوتا ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ محض ۳۲ صفحات کے اس کتابچہ کا مطالعہ آخرت کی یاد دلاتا ہے اور غفلت سے جگاتا ہے اور راقم کے نزدیک یہی تاثر اس کتابچہ کا حاصل مطالعہ ہے۔

گویا اس کتابچہ سے حضرت محی السنہ کی حیات مبارکہ کی ایک ایسی جھلک سامنے آتی ہے جو کسی شیخ کامل اور ولی کامل کی جھلک ہو سکتی ہے اور جن کے دیکھنے کو آنکھیں اب ترسا کریں گی۔ البتہ ان کی تعلیمات ان کا منتخب کردہ میدان کار نیز طریقۂ کار آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور بخشتا رہے گا۔

بروقت لکھا گیا یہ کتابچہ نشان راہ ہے، نشان منزل نہیں ہے جو اپنے قاری کو اس کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کتابچہ میں درج تعلیمات کی تفصیل کے لئے حضرت محی السنہ کی تالیف کردہ کتابوں سے رجوع کرے اور اب جبکہ حضرت نہیں رہے ہیں تو ان کے ملفوظات سے ہی رہنمائی حاصل کرنے کی فکر کرے اس لحاظ سے اس کتابچہ کا مطالعہ اپنے قاری پر احیائے سنت، صحت کے ساتھ تلاوت کلام اللہ اور فکر آخرت کے دروازوں کے کھلنے کا سبب بنے گا اور نہ صرف مؤلف محترم کے لئے حسنات کا باعث بلکہ کتابچہ کے قارئین کے لئے بھی نیکیوں کی بہار کو دیکھنے برتنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی رغبت دلانے اور دلوں میں اس کی جوت جگانے کا ذریعہ و وسیلہ ثابت ہوگا۔

حاصل یہ کہ محی السنہ کی وفات کے چند دنوں بعد ہی منظر عام پر آجانے والے اس کتابچہ نے نہ صرف حضرت کی وفات سے لگے زخم پر مرہم کا کام کیا ہے بلکہ ان کے مشن کو اپنانے کا پیغام دے کر ان کو صحیح خراج عقیدت پیش کرنے کی راہ بھی سجھا دی ہے اور حسرت و افسوس کی ظلمتوں میں اک ایسا چراغ روشن کیا ہے جس سے نہ جانے کتنوں کے دلوں کے چراغ روشن ہوں گے اور چراغ سے چراغ جلتے رہنے کا سلسلہ چل پڑے گا گویا یہ کتابچہ محی السنہ کا محض تذکرہ نہیں بلکہ ان کے مشن کے تسلسل کو قائم رکھنے کی ایک کوشش ایک کڑی اور ایک پیغام ہے۔ جناب نور عالم علوی کو اللہ جزائے خیر دے کہ موصوف نے اسے ادارہ احیاء السنہ و اصلاح المنکرات سے شائع کیا ہے۔

(ا۔ش)